سلسلة
9
اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر ۲۸)
علم اور تقویٰ
تالیف: ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی
تحقیق وتخریج: حافظ حامد محمود الخضری اضافہ جات: قاری عبدالحفیظ ثاقب
انصار السنہ پبلیکیشنز لاہور

فہرست مضامین

نمبر شمار | عنوان | صفحہ نمبر

پہلا حصہ

باب نمبر: 1

اخلاصِ نیت

باب نمبر: 2

علم کی اہمیت اور فضیلت

باب نمبر:3

اہل علم کی فضیلت

باب نمبر:4

اہل علم، محدثین، ان کی علمی رحلات اور زہد وتقویٰ

دوسرا حصہ

باب نمبر:1

تقویٰ کی لغوی اور شرعی تعریف

باب نمبر:2

تقویٰ کی اہمیت

باب نمبر:3

حصولِ تقویٰ کے اسباب و ذرائع

باب نمبر:4

تقویٰ کے فوائد وثمرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

الحمد لله ربّ العالمين والصلاة والسلام على سيّد الأنبيآء والمرسلين وبعد!

زیر نظر کتاب موسوم "علم اور تقویٰ" ادارہ انصار السنہ پبلی کیشنز کے مدیر ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی حفظہ اللہ کی تالیف لطیف ہے۔ جزاه الله خيراً عني وعن جميع المسلمين.

اللہ رب العزت کا انعام و اکرام کہ کتاب کی تحقیق، تخریج، اضافہ جات اور تقریظ کا موقعہ مجھے میسر آیا۔ الحمد لله على ذلك! کتاب ہذا میں بیان کردہ مواد، کتاب کے عنوان سے واضح ہے۔ علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسولِ مکرم، معلم انسانیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی!

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق: ۱۔۵)

"اے پیغمبر! آپ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھئے اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

اسی تعلیم وتعلم سے منسلک ہے۔ اسی لیے تمام اَدیان و مذاہب کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی دین نے تعلیم وتعلم کا وہ اہتمام نہیں کیا جو دین اسلام، دین حنیف نے کیا ہے۔

ذرا قرن اوّل کے حالات کی ورق گردانی کیجیے کہ نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس وحی کو اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو کس اہتمام سے پڑھایا۔

ان عظیم المرتبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کس نے نہیں سنا؟ جن کو تاریخ ''اصحابِ صفہ'' کے نام سے یاد کرتی ہے، یہ غریب الدیار اتنے مفلس کہ اکثر فقر و فاقہ کا شکار رہتے، دیکھنے والوں نے دیکھا، اور لکھنے والوں نے لکھا کہ اگر وہ کسی مجلس میں بیٹھتے تو کپڑوں کو سمیٹ کر بیٹھتے کہ کہیں بے پردگی نہ ہوجائے، اتنی غربت کہ پورا جسم ڈھانپنے کے لیے کپڑا بھی میسر نہ ہوتا، حتی کہ سیّدنا جابر بن عبداللہ الأنصاری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((وَأَيُّنَا كَانَ لَهُ ثَوْبَانِ عَلَىٰ عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ؟)) [1]

''کہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کے پاس عہد نبوت میں دو کپڑے ہوں۔''

ستر (۷۰) کے قریب یہ جانثار، کیا مال کمانے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے؟ یا کاروبار نہیں کر سکتے تھے؟ کیا لین دین کی اہلیت سے عاری تھے؟ کیا کھیتی باڑی کرنے سے نابلد تھے؟

نہیں نہیں! بلکہ انھوں نے تمام صلاحیتیں ہونے کے باوجود اپنی توانائیاں نبی اکرم ﷺ کے فرامین حفظ کرنے میں صرف کیں، اور اپنا تن من دھن سب کچھ اسی راہ میں لگا دیا، انہی میں سے فقیہ اُمت سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں، وہ خود اپنے متعلق فرماتے ہیں: ''لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں کہ ابوہریرہ (غزوۂ خیبر کے موقع پر ۶ ہجری میں مسلمان ہوئے صرف چار سال کی صحبت پا کر طویل الملازمہ صحابہ سے بھی) بہت زیادہ روایات بیان کرتے ہیں؟ (کیا ان کو یہ علم نہیں) کہ انصار کھیتی باڑی میں مصروف رہتے ہیں، مہاجرین اپنی دکانداری میں مشغول رہتے، اور مجھے ((لِشَبَعِ بَطْنِهِ .)) ...... ''پیٹ بھر'' کھانا ملا یا نہ ملا یعنی قوتِ لا یموت، نصیب ہوئی یا نہ ہوئی، ہمیشہ رسولِ مکرم ﷺ کی رفاقت میں رہتا، اور ان مجلسوں میں

---

[1] صحيح بخاري، كتاب الصلاة، رقم: ٣٥٢.

حاضر ہوتا جن مجلسوں میں دوسرے (صحابہ کرام) حاضر نہیں ہوتے تھے۔ آپ کے دروازے پر کھڑا رہتا کہ آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائیں کہ میں آپ کے فرمودات سن کر یاد کرسکوں۔'' ❶

بعض دفعہ میں بھوک سے نڈھال ہوکر مدینہ کی گلیوں میں گر پڑتا۔ اسی طرح سارے ''اصحاب صفہ'' نے حصولِ علم کا اہتمام کیا، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقام عطا فرمایا کہ لوگ تعجب کیا کرتے۔ سچ فرمایا اللہ ربّ العزت نے؛

﴿وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾﴾ (العنکبوت: ٦٩)

''اور وہ لوگ جنھوں نے ہمارے رستہ میں جہاد (بالعلم) کیا، ہم انھیں اپنے رستہ کی ہدایت دیں گے۔ اور اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

انہی ''اصحاب صفہ'' میں سے سیّدنا ابو فراس ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ، خادم رسول ﷺ بھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں رات رسول اللہ ﷺ کے لیے وضو کا پانی رکھا کرتا، اور راتوں کو بیدار رہتا، کہیں آپ کو کوئی کام نہ پڑ جائے، آپ کا انتظار کرتا رہتا۔ ایک دفعہ رسولِ اکرم ﷺ اُٹھے، وضو کیا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ((سَلْ)) ''یعنی مجھ سے آج کے دن جو مانگنا چاہتے ہو مانگ لو۔'' سیّدنا ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ انتہائی غریب آدمی تھے، اور وہ جانتے تھے کہ آج جو مانگوں گا مل جائے گا۔ زمین کا سوال کرتے مل جاتی۔

یاد رہے کہ وہ زمینیں جو رسول ہاشمی ﷺ نے لوگوں کو الاٹ کی تھیں، اتنی زیادہ تھیں کہ ساری زندگی لوگ آباد کرتے رہے لیکن وہ آباد نہ ہوسکیں، جاگیر طلب کرتے عطا ہوجاتی، اونٹ مانگتے عنایت ہوجاتے، لیکن انھیں علم تھا کہ اس مال و دولت کی اللہ کے ہاں قدر و قیمت کیا ہے، لہٰذا موقعہ غنیمت جان کر...... عرض کیا:

---

❶ صحیح بخاری، کتاب العلم، رقم: ١١٨.

((أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ .))

''کہ میں تو جنت میں آپ کا ساتھ چاہتا ہوں۔''

اللہ کے نبی ﷺ نے تعجب سے سیّدنا ربیعۃ رضی اللہ عنہ کی طرف نظر اُٹھائی اوران سے فرمایا:

((أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ؟)) ''اس کے علاوہ کچھ اور نہیں مانگتا؟''

سیّدنا ابوفراس رضی اللہ عنہ نے کہا: ((هُوَ ذَاكَ .))

''اے اللہ کے رسول! میری پہلی اور آخری خواہش یہی ہے، اور کسی چیز کی طلب ہی نہیں ہے۔''

غریب ترین ہوتے ہوئے بھی اگر کچھ مانگا ہے تو رسول اللہ ﷺ کی جنت میں معیت مانگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوفراس! اگر جنت میں میرا ساتھ چاہتے ہو تو ایک کام کرنا ہوگا۔ ((فَأَعِنِّيْ عَلىٰ نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ .))

''زیادہ سے زیادہ اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوکر اپنے آپ کو اس قابل بنا کہ مجھ محمد ﷺ کی تمھیں جنت میں بھی رفاقت مل جائے۔'' [1]

لوگ آپ کی رفاقت کے طلبگار ہیں، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اپنے نبی ﷺ کو حکم فرمایا:

﴿ وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ (الكهف : ۲۸)

''اے نبی! اپنے آپ کو ہمیشہ ان کے ساتھ رکھیے جو صبح وشام اپنے رب کا ذکر کرتے ہیں۔ اُس کی رضا جوئی کے خواستگار رہتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اس علم دین کو اس قدر درجہ عطا فرمایا، اور نبی کریم ﷺ نے وہ منزلت دی، سیّدنا کثیر بن قیس رضی اللہ عنہ کی زبانی سنیے، فرماتے ہیں:

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الصلاة، رقم: ١٠٩٤.

((كُنْتَ جَالِسًا مَعَ أَبِي الدَّرْدَاءِ فِي مَسْجِدِ دِمَشْقَ ، فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا أَبَا الدَّرْدَاءِ ، إِنِّي جِئْتُكَ مَنْ مَدِيْنَةِ الرَّسُوْلِ ﷺ لِحَدِيْثٍ بَلَغَنِي أَنَّكَ تُحَدِّثُهُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ ، مَا جِئْتُ لِحَاجَةٍ . قَالَ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَطْلُبُ فِيْهِ عِلْمًا سَلَكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهٖ طَرِيْقًا مِنْ طُرُقِ الْجَنَّةِ .))

''میں سیّدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک آنے والا آیا، اور کہنے لگا، اے ابو درداء! میں مدینۃ الرسول ﷺ سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، کسی فائدے کے حصول کے لیے نہیں، بلکہ میرا مطمع نظر وہ حدیث حاصل کرنا ہے جو آپ رسولِ اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، تو اس وقت سیّدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

''جو کوئی حصولِ علم کے لیے کسی راستہ میں چلتا ہے (دنیا والے اور وہ خود طالب علم بھی محسوس کرتا ہے کہ میں مدرسہ جارہا ہوں)، لیکن حقیقت میں وہ راستہ (مدرسہ نہیں) جنت کی طرف جارہا ہوتا ہے۔''

اور اسی حدیث میں آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((وَإِنَّ الْمَلَآئِكَةَ لَتَضَعُ أَجْنِحَتَهَا رِضًا لِطَالِبِ الْعِلْمِ ، وَإِنَّ الْعَالِمَ لَيَسْتَغْفِرُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ، وَالْحِيْتَانُ فِيْ جَوْفِ الْمَاءِ ، وَإِنَّ فَضْلَ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ عَلَى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ .))

''یقیناً اللہ کے مقربین فرشتے طالب علم کی رضا مندی کے لیے اپنے پر (ادب)

سے رکھ دیتے ہیں، اس جہانِ فانی میں ہر چیز اس طالب علم کے لیے دعا گو رہتی ہے، حتی کہ مچھلیاں پانی میں اس کی مغفرت کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں۔ اور ایک عالم کو کسی عبادت گذار پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے، جس طرح چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر برتری ہوتی ہے۔''

اور مزید برآں طلباء واساتذہ کے لیے یہ خوشخبری آپ ﷺ نے دی:

((وَإِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَآءِ ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَآءَ لَمْ يُوَرِّثُوْا دِيْنَارًا وَلَا دِرْهَمًا ، وَرَّثُوْا الْعِلْمَ ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وافِرٍ .))

'' کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، اور انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑ کر گئے، بلکہ علم کی وراثت دے کر گئے ہیں، سو جس نے وہ (علم) حاصل کیا اس نے بہت بڑی متاع حاصل کر لی۔'' [1]

لہٰذا ضمناً ہم یہ بات بھی کہہ دیتے ہیں کہ طلباء اور علماء کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ دیکھئے امام بخاری رحمہ اللہ سے حاکم بخاریٰ نے کہا کہ میرے مکان پر تشریف لا کر مجھے درسِ حدیث دیں، اور یہ ادنیٰ مطالبہ تھا جو کہ کسی ابن الوقت کے لیے نہایت آسان، بلکہ باعث فخر تھا کہ آج ہر شخص چاہتا ہے کہ سلاطین و امراء کے ہاں آنے جانے کے لیے بہانہ مل جائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا پر دین کو قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دین کی خاطر دنیا کو لات مار چکے ہیں، ان کے لیے ایسا مطالبہ صرف غلط ہی نہیں، بلکہ ان کی غیرت پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا ہے۔ چنانچہ امام موصوف نے صاف صاف کہہ دیا:

((أَنَا لَا اَذِلُّ الْعِلْمَ إِلىٰ أَبْوَابِ النَّاسِ .)) [2]

''میں علم نبوی ﷺ کو لوگوں کے دروازوں پر لے جا کر ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔''

---

[1] سنن ابی داؤد، کتاب العلم، رقم: ٣٦٤١۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔
[2] تاریخ بغداد: ٢/ ٣٣.

یعنی یہ ایسی چیز نہیں جو تمہارے پاس لائی جا سکے۔ اگر تمھیں ضرورت یا سنت کی پیاس ہے، تو تم میرے مکان اور مسجد میں آ جاؤ۔

اسی طرح ایک دفعہ امیر نے امام صاحب سے کہا کہ میرے بچوں کو آ کر حدیث پڑھائیں، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے پھر وہی جواب دیا۔ امیر نے پھر کہا کہ میرے بچوں کے آنے کے لیے وقت مخصوص ہوگا، اس وقت کوئی دوسرا درس میں شریک نہ ہوگا۔ لیکن امام صاحب نے یہ بات بھی نہیں مانی اور کہا:

((لَا يَسَعُنِيْ اَنْ اَخُصَّ قَوْمًا بِالسِّمَاعِ دُوْنَ قَوْمٍ .))

''یعنی یہ میرا اختیار نہیں کہ دین شرعی کا سنانا کسی ایک گروہ کے لیے مخصوص کروں۔'' (تاریخ بغداد)

ایک مرتبہ مسجد نبوی کے صحن میں امام مالک کی مجلس حدیث لگی ہوئی تھی۔ امام شافعی رحمہ اللہ جیسے امام بھی دو زانو بیٹھے ہیں، ہارون الرشید نے امام مالک رحمہ اللہ کو بلوایا ہے، امام صاحب جواب دیتے ہیں کہ علم کے پاس لوگ آتے ہیں، علم لوگوں کے پاس نہیں جاتا۔

((اَلْمُلُوْكُ عَلَى بَابِ الْعُلَمَاءِ، لَا الْعُلَمَاءُ عَلٰى بابِ الْمُلُوْكِ .))

ہارون الرشید خود حاضر ہوتا ہے۔ کسی نے کہا، خلیفۃ المسلمین آ رہے ہیں، اگر تخلیہ فرمائیں تو بہتر ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''کسی شخص کی منفعت کے لیے افادۂ عام کا خون نہیں کیا جاسکتا۔''

درحقیقت دینی علم عین اسلام ہے، کیونکہ جب تک آپ کو معرفت الٰہی نہیں، شریعت کا علم ہی نہیں، تو خود کو اور عوام الناس کو صراطِ مستقیم پر کس طرح چلایا جاسکتا ہے؟ یہی بات امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ''کتاب بدء الوحی'' کے بعد ''کتاب العلم'' قائم کر کے سمجھائی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں:

((بَابٌ: اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ .))

''اس چیز کا بیان کہ اقرار وعمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔''

اور بطورِ دلیل قرآنی آیت ذکر کرتے ہیں:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد: ۱۹)

''پس جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبودِ برحق نہیں۔''

امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ بہت بڑے محدث ہیں۔ آپ اپنا قصہ بیان کرتے ہیں کہ،

''میں قرطبہ (اندلس) سے امام احمد رحمہ اللہ کی طرف حدیث سیکھنے کے ارادے سے روانہ ہوا۔ بغداد کے قریب پہنچا تو معلوم ہوا کہ فتنۂ خلق قرآن کی پاداش میں امام صاحب اپنے گھر میں نظر بند ہیں۔ کسی کو آپ سے ملنے کی اجازت نہیں۔ میں بڑا مغموم ہوا، بڑی مشکل سے آپ کے مکان تک پہنچا۔ دروازہ کھٹکھٹانے پر آپ باہر آئے، اسی وقت کسی جاسوس نے دیکھ لیا۔ جس کا آپ پر اثر ہوا۔ میں نے عرض کیا کہ میں بہت دور سے آپ کی خدمت میں حدیث پڑھنے کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری خدمت اور تمھیں پڑھانے سے زیادہ مجھے کوئی چیز محبوب نہیں، مگر کیا کروں، کہ مجھ پر پابندی لگی ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک تجویز ہے۔ اگر آپ میرا ساتھ دیں تو میں اپنے مطلب کو پاسکتا ہوں۔ فرمایا، بتاؤ! میں نے عرض کیا کہ بغداد میں نیا داخل ہوا ہوں، اور کوئی شہر کا باشندہ مجھے نہیں پہچانتا۔ میں روزانہ فقیرانہ بھیس میں آپ کے دروازے پر بھیک مانگنے کی صدا لگایا کروں گا، اور آپ مجھے خیرات دینے کے بہانے حدیث رسول اللہ ﷺ سنا دیا کرنا، آپ کی مہربانی ہوگی۔ آپ نے منظور فرمایا اور ساتھ شرط یہ لگائی کہ کسی کو خبر نہ دوں۔ چنانچہ میں روزانہ فقیرانہ بھیس میں سر پر پٹی باندھ کر ہاتھ میں لکڑی پکڑے بھکاری بن کر صدا لگاتا......

((اَلْأَجْرُ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ))

''اللہ کے نام پر کچھ دے دو۔''

وہاں بھیک مانگنے والے اسی طرح صدا لگاتے تھے۔ آپ آواز سن کر آتے، اور وہیں

دروازے پر دو چار حدیثیں سنا دیتے، کئی دن اس طرح سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ آپ آزاد ہوئے، اور مجلس درس ہوئی اور میں وہاں حاضر رہتا تھا، اور آپ طلباء کے سامنے میرا حال بیان کرتے اور فرماتے تھے کہ حدیث کے طالب ایسے ہوتے ہیں۔'' [1]

شیخ الکل سیّد نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کو گورنمنٹ کی طرف سے عہدے کی پیشکش ہوئی، لیکن آپ نے طلبائے حدیث کے ساتھ بوریا نشینی کو اس پر ترجیح دی۔ [2]

یہی وجہ ہے کہ آج پاک و ہند کا کوئی بھی شخص اپنی سند کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کے واسطہ کے بغیر نہیں پہنچا سکتا۔

پیارے قارئین! یہ علم آسائش و آرام سے حاصل نہیں ہوتا، بڑے جتن کرنے پڑتے ہیں، یحییٰ بن أبی کثیر رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا:

((لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ .)) [3]

''علم آرام سے حاصل نہیں ہوتا۔''

سیّدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَوْ كَانَ الْعِلْمُ يُحْصَلُ بِالْمُنٰى
مَا يَبْقٰى فِي الْاَرْضِ جَاهِلُ
قُمْ فَاجْهَدَ وَلَا تَكْسَلَ وَلَا تَكُ غَافِلًا
فَإِنَّ النَّدَامَةَ تَبْقٰى لِمَنْ يَتَكَاسَلُ

''اگر علم محض خواہشات سے حاصل ہونے والی چیز ہوتی، تو دنیا میں کوئی بھی اَن پڑھ اور جاہل نہ رہتا۔ اُٹھو! محنت کرو، سستی نہ دکھاؤ اور غفلت سے کام نہ لو، کیونکہ سستی سے کام لینے والے کو ہمیشہ شرمندہ گی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔''

---

[1] مختصر طبقات الحنابلة، ص: ۷۹۔۸۱ ۔ سير أعلام النبلاء: ۱۳/ ۲۹۳.
[2] تاریخ اہل حدیث از مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی.
[3] صحيح مسلم، كتاب المساجد، رقم: ۱۳۹۰.

نضر بن شمیل حدیث کے حصول میں فاقہ کشی کے دلدادہ تھے، اور فرماتے تھے:

((لَا يَجِدُ الرَّجُلُ لَذَّةَ الْعِلْمِ حَتَّى يَجُوْعَ وَيَنْسَى جُوْعَهُ .))

''کوئی بھی آدمی اس وقت تک علم کی لذت حاصل نہیں کرسکتا، جب تک وہ بھوکا نہ ہو، اور پھر اس کو بھوک کا احساس تک نہ ہو۔''

حصولِ علم کے لیے اگر طالب علم اپنی ساری توانائیاں وقف کر دے تو پھر بھی یہ اس علم کا عشیر عشیر بھی حاصل نہیں کرسکتا۔

((مَنْ طَلَبَ الْعُلٰى سَحَرَ اللَّيَالِيَ .))

''بلندیاں راتوں کو جاگ کر محنت کرنے کے بعد ملتی ہیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''میں ایک دفعہ اپنے شیخ آدم بن ابی ایاس رحمہ اللہ کے پاس جا رہا تھا۔ زادِراہ ختم ہوگیا، یہاں تک کہ کئی دن تک مجھے گھاس اور پتوں پر گزارا کرنا پڑا۔ تیسرے دن کوئی ناواقف شخص مجھے دیناروں کی تھیلی دے گیا، کہ یہ اپنے مصرف میں لائیے۔''[1]

اور فرماتے تھے کہ ''مجھے اُمید ہے کہ روزِ قیامت مجھ سے غیبت کے متعلق کوئی باز پرس نہ ہوگی۔''[2]

اسی لیے آج ان کو یہ مقام ومرتبہ ملا ہے۔

یہ بلند مرتبہ ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اگر ان کی صحیح کے متعلق لکھی جانے والی کتب دیکھی جائیں تو ڈیڑھ سو (۱۵۰) سے زائد ہیں۔ جو صرف ان کی مخلص مساعی کا نتیجہ ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کی یاد میں رو رو کر نابینا ہوگئے۔[3]

---

[1] طبقات الشافعية الكبرى، للسبكي: ۲/ ۱۰۔ ۱۱.

[2] تاريخ بغداد: ۲/ ۱۳.

[3] تهذيب التهذيب، لابن حجر: ۹/ ۳۸۹.

امام مسلم رحمہ اللہ نے حصولِ علم حدیث کی خاطر کئی شہروں کے چکر کاٹے۔ ❶
آپ کی وفات کا یہی سبب تھا کہ رات بھر ایک حدیث کی تلاش میں جاگتے رہے، اور جب صبح ہوئی تو حدیث مل گئی، لیکن مرض الموت شروع ہو گیا۔ ❷

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ صاحبِ ''فتح الباری'' کی پوری تریسٹھ سالہ زندگی کو ان کی تصانیف پر تقسیم کیا جائے تو فی یوم کے ساٹھ صفحات بنتے ہیں۔ اپنی شادی کے بعد بھی اپنے استاذِ مکرم حافظ عراقی رحمہ اللہ کے پاس دس (۱۰) سال تک علم حاصل کرتے رہے۔

امام بخاری جب وطن واپس لوٹتے ہیں تو آپ کا شایانِ شان استقبال کیا جاتا ہے۔ اور تین میل تک خیمے لگائے جاتے ہیں، اور اوپر دنانیر و دراہم نچھاور کیے جاتے ہیں۔ ❸

امام بخاری رحمہ اللہ کے استاد یوسف فریابی رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ ان کی مجلس میں لکھنے والوں کی تعداد دس ہزار ہوا کرتی، اور بعض محدثین نے لکھا ہے کہ جب وہ پڑھانے بیٹھتے تو تین تین سو کے قریب مستملی (آواز پہنچانے والے) ہوا کرتے، اور بعض نے تو ان کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی مجلس میں بعض دفعہ چالیس ہزار سے زیادہ قلم و دوات رکھ دیئے جاتے، اور لکھنے والے چالیس ہزار سے بھی بڑھ جاتے۔

قارئین کرام! ان محدثین رحمہم اللہ کے تقویٰ و پرہیزگاری کا اندازہ فرمائیے گا۔ امام نسائی رحمہ اللہ کا زہد و تقویٰ، احیاء اللیل اور عمل بالسنہ مشہور تھا۔ حکام و اُمراء سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔ بالآخر ''خارجیہ'' سے لڑے اور ان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ❹

امام ابوداؤد رحمہ اللہ کے متعلق آتا ہے کہ آپ نے نہر پار کسی کی چھینک سنی تو سنت پر عمل کی خاطر کشتی والے کو ایک دینار کرایہ دے کر اس کے پاس گئے، اور اس کو ((يَـرْحَـمُكَ

---

❶ تهذيب الاسماء واللغات: ۲/ ۹۱.
❷ تهذيب التهذيب، لإبن حجر: ۱۰/ ۱۲۷.
❸ مقدمه فتح البارى، ص: ٤٩٤.
❹ طبقات السبكى: ۲/ ۱۷.

اللّٰہُ)) کہا۔ ❶

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ کی عبادت حیران کن تھی۔ کھڑے ہو جاتے تو معلوم ہوتا گویا کہ لکڑی کا ستون ہے۔ ❷

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

((أَنَا عَبْدٌ لِأَخْبَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ .)) ❸

''میں رسول مکرم ﷺ کی احادیث کا خادم ہوں۔''

اسی طرح جرح و تعدیل میں ان کی امانت و دیانت کا یہ عالم تھا کہ حدیث نبوی کو بچانے کے لیے اور اس کی حفاظت کی خاطر انھوں نے اپنے کسی قریبی رشتے دار کا بھی لحاظ نہیں رکھا۔ حتی کہ امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے اپنے والد عبداللہ تک کا ضعیف و ناقابل اعتبار راوی ہونا بتایا۔ ❹

امام ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کو کذاب تک کہہ دیا۔ ❺

اور زید بن انیسہ نے اپنے بھائی یحییٰ کی حدیثیں سننے سے منع کر دیا۔ ❻

الغرض ان اہل علم لوگوں کی ہر نقل و حرکت حدیث کی خدمت و حفاظت کے لیے وقف تھی۔ وہی جماعت ہر نیک کام میں نمایاں حیثیت رکھ سکتی ہے، جو علم کے ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری کا اہتمام کرے۔ جیسا کہ محدثین کرام رحمہم اللہ نے کیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے خشیت الٰہی علماء کا وظیفہ قرار دی ہے، ارشاد فرمایا:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر: ۲۸)

''بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔''

سعد بن ابراہیم سے پوچھا گیا کہ مدینہ کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

---

❶ مقدمہ معالم السنن.
❷ طبقات السبکی: ۲/ ۲۲.
❸ الفقیه والمتفقه.
❹ کتاب الضعفاء، للعقیلی.
❺ تذکرة الحفاظ، للذهبی: ۱/ ۲۰.
❻ مقدمة صحیح مسلم: ۱/ ۲۰، طبع قدیمی کتب خانہ۔

((اَتْقَاهُمْ رَبَّهُ .)) ❶

''اپنے رب سے زیادہ ڈرنے والا بڑا عالم ہے۔''

امام مجاہد رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:

((إِنَّمَا الْفَقِيْهُ مَنْ يَّخَافُ اللّٰهَ .)) ❷

''فقیہ اور عالم وہ ہے جس کے دل میں خشیت الٰہی موجود ہو۔''

اور سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((لَيْسَ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْحَدِيْثِ ، وَلٰكِنَّ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ .)) ❸

''علم بہت زیادہ احادیث یاد کرنے کا نام نہیں، بلکہ کثرتِ خشیت الٰہی کا نام ہے۔''

زیر مطالعہ کتاب ''علم اور تقویٰ'' بھی عوام الناس، طلبہ علم اور علماء کو یہ درس دے رہے ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا التزام کریں۔ ((اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَّوْعَاتِنَا .))

اللہ تعالیٰ ان تمام احباب کو جزائے خیر عطا فرمائے، جن کی مساعی مشکورہ کی بدولت یہ کتاب زیورِ طباعت سے آراستہ ہورہی ہے۔ بالخصوص مؤلف ھذا الکتاب، ابوحمزہ عبدالخالق صدیقی حفظہ اللہ، مدیر انصار السنہ پبلی کیشنز اور میرے تلمیذ حافظ حبیب الرحمٰن حنیف حفظہ اللہ کو جنھوں نے کتاب پر اضافہ جات کیے۔ جزاهم الله خيراً۔

اور جملہ عاملین و مساہمین، جناب محمد طارق جاوید، محمد شاہد انصاری، محمد اکرم سلفی، ابو

---

❶ سنن دارمی، مقدمة، رقم: ۲۹۵.

❷ سنن دارمی، مقدمة، رقم: ۲۹٦.

❸ جامع بيان العلم: ۲/۲۵.

طلحہ، ابومؤمن منصور احمد اور محمد رمضان محمدی حفظہم اللہ کے لیے بھی دعا گو ہیں، اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کی طباعت کی نیکی کو سب کے لیے ذخیرہ آخرت بنا دے۔

اللہ ربّ العزت سے دست بدعا ہیں کہ وہ ان مقاصد عظیمہ اور اہداف نبیلہ جو ان کتب و رسائل مفیدہ کی طباعت میں کارفرما ہیں جلد از جلد حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور توحید وسنت کی تعلیمات کو فروغ دینے کی توفیق عطا فرمائے، تاکہ ہمارا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ کیونکہ توحید وسنت ہی دنیا وآخرت کی فلاح وصلاح کی بنیاد ہیں، باقی سب شیطانی وساوس ہیں۔

العلم ما قال اللّٰه وقال رسوله
وما سوى ذالك فهو وسواس الشياطين

اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے انتہائی قابل احترام مرشد و رہنما فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی شفقتیں میرے ہاتھ سے لکھی ہوئی تحریروں کو حسن بخشتی رہتی ہیں۔ یہ مبارک عمل ان کے حکم، تشجیع اور ساتھ ساتھ ان کی ڈھیروں دعاؤں کی وجہ سے جاری و ساری ہے، اللہ تعالیٰ ان کی جہود، محنتوں، کاوشوں اور کوششوں میں مزید اضافہ فرمائے اور شرفِ قبولیت بخشے۔ جس منہج پر ہم کام کر رہے ہیں، درحقیقت یہ اللہ کی توفیق ہے اور اس کے بعد شیخ حفظہ اللہ کی رہنمائی۔ جزاهم الله خيراً.

وصلى الله على خير خلقه محمد وآله وصحبه وسلم.

وكتبه

حافظ حامد محمود الخضری

(رفیق) انصار السنہ پبلی کیشنز۔ لاہور

پہلا حصہ

باب نمبر:1

اخلاصِ نیت

کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کے لیے اخلاصِ نیت نہایت ضروری شرط ہے کہ وہ عمل خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کیا گیا ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵﴾ (البينة : ٥)

''اور انہیں اس کے سوا اور کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، یکسو ہو کر اسی کے دین کو خالص رکھیں، نماز کو قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، یہی دین درست اور مضبوط ہے۔''

اور سورۃ ''المؤمن'' میں بیان کیا کہ،

﴿فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝۱۴﴾

(المؤمن : ١٤)

''پس تم اللہ کو اس کے لیے دین کو خالص کر کے پکارتے رہو، اگرچہ کافر برا مانیں۔''

ایک اور مقام پر ارشادِ ربّ العزت ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۝۱۱۰﴾ (الكهف : ١١٠)

''(اے پیغمبر!) اعلان کر دیجیے کہ میں تو تم جیسا ہی ایک انسان ہوں ۔ ہاں! میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے۔تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ، ہو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے، اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔''

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''یہ آیت دلیل ہے کہ اللہ کے نزدیک عمل مقبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق ہو، اور دوسری یہ کہ اس سے مقصود صرف اللہ کی خوشنودی ہو۔شہرت ، نام ونمود، ریا کاری یا کوئی اور دنیاوی غرض مقصود نہ ہو۔'' (تفسیر ابن کثیر، تحت الآیۃ)

سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوَى .)) [1]

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ اعمال کا انحصار صرف اور صرف نیتوں پر ہے۔ ہر آدمی کے لیے صرف وہی کچھ ہے، جس کی اس نے نیت کی۔''

بعض روایات میں اس حدیث کا پس منظر یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اُمّ قیس نامی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا، لیکن اس نے اس وقت نکاح کرنے سے انکار کر دیا، جب تک وہ ہجرت نہ کرے۔ پس اس صحابی نے اس کے اس شرط عائد کرنے کی بنا پر ہجرت کر لی اور وہاں جا کر دونوں کا نکاح ہو گیا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اس کا نام ہی مہاجر اُم قیس مشہور ہو گیا۔ اس حدیث کی بنیاد پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ اعمال میں نیت ضروری ہے اور نیت کے مطابق ہی اجر ملے گا۔ معلوم ہوا ہر کام کے لیے اخلاص ضروری ہے۔ یعنی ہر نیک اور صالح

---

[1] صحیح بخاري، کتاب بدء الوحی، رقم: ۱۔ صحیح مسلم، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل الله، رقم: ٤٩٢٧.

عمل میں صرف اور صرف رضائے الٰہی پیش نظر ہو۔ اگر کسی عمل صالح میں اخلاص کے بجائے کسی اور جذبے کی آمیزش ہو جائے گی تو عنداللہ وہ عمل مقبول نہیں ٹھہرے گا۔ جیسے ریا کاری اور نمود ونمائش کا جذبہ یا دنیا کا لالچ یا اس قسم کے اور گھٹیا مفادات۔

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَا يَنْظُرُ إِلٰى اَجْسَامِكُمْ ، وَلَا إِلٰى صُوَرِكُمْ ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ .)) ❶

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔''

امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے بیان فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ شَيْءٍ اَخْوَفُ عِنْدِيْ مِنَ الْحَدِيْثِ ، وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَفْضَلُ مِنْهُ لِمَنْ اَرَادَ بِهِ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ .)) ❷

''یعنی (نیت خالص نہ ہونے کی صورت میں) میرے نزدیک علم حدیث سے زیادہ خوف ناک کوئی دوسری چیز نہیں ہے، لیکن جب اس میں اللہ کی رضا مقصود ہو تو اس سے بہتر چیز بھی کوئی نہیں ہے۔''

نیت خالص نہ ہونے کا انجام:

جس طرح قرآن وسنت میں اخلاص نیت کے ثواب و جزاء کا تذکرہ موجود ہے، اسی طرح نیت خالص نہ ہونے کے انجام وعقاب کا ذکر بھی موجود ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا

❶ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، رقم: ٢٥٦٤.

❷ جامع بیان العلم وفضله، لابن عبد البرّ: ١/٥٩، دار الکتب العلمية، طبع اولیٰ۔ الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ١/٨٣، مکتب المعارف الرياض.

وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

(هود: ۱۵، ۱۶)

''جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی زیب وزینت چاہتا ہے، ہم ایسے لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی پورا پورا دے دیتے ہیں، اور اس میں ان کے لیے کوئی کمی نہیں کی جاتی، ہاں، یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے اور کچھ نہیں، اور جو کچھ انہوں نے دنیا میں کیا تھا سب باطل ہے، اور ان کے تمام اعمال تباہ و برباد ہوئے۔''

اور سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی ہے، فرماتے ہیں، یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، فَمَنْ عَمِلَ لِيْ عَمَلًا أَشْرَكَ فِيهِ غَيْرِيْ ، فَأَنَا مِنْهُ بَرِيءٌ ، وَهُوَ لِلَّذِيْ أَشْرَكَ .)) [1]

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شرکاء کے شرک سے بہت زیادہ بے زار ہوں، (لہٰذا) جس نے کسی عمل میں میرے سوا کسی اور کو شریک کیا، تو میں اس سے بری ہوں، وہ عمل اسی کے لیے ہوگا جس کو اس نے شریک کیا تھا۔''

اسی طرح سیّدنا ابو سعید بن ابی فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن، جو ایسا دن ہے کہ جس میں کوئی شک نہیں ہے، اوّل و آخر تمام لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی بآواز بلند کہے گا:

---

[1] سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الرياء والسمعة، رقم: ۴۲۰۲۔ احكام الجنائز، للألباني ص: ۵۳۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

((مَنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلَّهِ ، فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ .)) ❶

''یعنی جو کوئی کسی عمل میں میرے ساتھ کسی اور کو شریک کرتا تھا، تو وہ اسی سے اپنے عمل کا ثواب طلب کرے۔ بے شک اللہ تعالیٰ شرکاء کے شرک سے بے زار ہے۔''

صحیح مسلم میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث قدسی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

((اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيهِ مَعِيَ غَيْرِيْ ، تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ .)) ❷

''میں شرک کرنے والوں سے بہت زیادہ بے زار ہوں، جس نے میرے ساتھ کسی اور کو شریک کیا، میں اس کے شرکیہ عمل کو ردّ کر دیتا ہوں۔''

سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے (کسی عمل کو) شہرت چاہنے کے لیے کیا تو اللہ اس کی تشہیر کرے گا۔''

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''جس نے ریا کاری کی تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب سب پر عیاں کرے گا۔'' ❸

صحیح مسلم میں سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''قیامت کے دن جس آدمی کا سب سے پہلے حساب ہوگا، وہ ایک شہید ہوگا جس کو اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا، تو اللہ ربّ العزت اس آدمی کو اپنی نعمتیں یاد دلائے گا، جب وہ

---

❶ سنن ابن ماجه، باب الرياء والسمعة، رقم: ٤٢٠٣۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔
❷ صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب تحريم الرياء، رقم: ٧٤٧٥.
❸ صحيح مسلم، كتاب الزهد، باب تحريم الرياء، رقم: ٧٤٧٦۔ سنن ترمذی، باب ماجآء في الرياء والسمعة، رقم: ٢٣٨١.

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو جان لے گا تو اللہ تعالیٰ اُس سے پوچھے گا۔ بتا؟ تو نے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ وہ آدمی کہے گا:

((قَاتَلْتُ فِيْكَ حَتّٰى اُسْتُشْهِدْتُ .))

''میں نے تیری راہ میں قتال کیا، حتیٰ کہ لڑتے لڑتے شہید ہوگیا۔''

تو اللہ ربّ العزت فرمائے گا کہ:

((كَذَبْتَ ، وَلٰكِنَّكَ قَاتَلْتَ لِاَنْ يُّقَالَ جَرِیْءٌ فَقَدْ قِيْلَ .))

''تو جھوٹ بول رہا ہے، تو تو صرف اس لیے (میدانِ جہاد میں) لڑتا رہا کہ تجھے بہادر کہا جائے، تو یہ بات تجھے (دنیا میں ہی) کہہ دی گئی۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم پر اس آدمی کو اوندھے منہ گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

اس کے بعد اُس آدمی کو بارگاہ ربّ العالمین میں پیش کیا جائے گا، جس نے علم سیکھا اور دوسروں کو سکھایا، اور قرآن کی تلاوت کی، اس کو بھی اللہ کی نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ جب وہ اللہ کی نعمتوں کو جان جائے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے ان کو کہاں استعمال کیا؟ تو جواب میں وہ آدمی کہے گا کہ میں نے علم سیکھا، دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن کی تلاوت کرتا رہا، تو اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

((كَذَبْتَ ، وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ ، وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَ قَارِیءٌ ، فَقَدْ قِيْلَ .))

''تو جھوٹ بول رہا ہے، بلکہ علم حاصل کرتے اور قرآن کی تلاوت کرتے وقت تیری نیت یہ تھی کہ تجھے عالم اور قاری کہا جائے، تو یہ تجھے دنیا میں ہی کہہ دیا گیا۔''

اللہ کے حکم پر اس کو بھی جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا، اس کے بعد ایک سخی

آدمی کو لایا جائے گا، تو اللہ تعالیٰ اس سے بھی یہی معاملہ کرے گا، اور پوچھے گا کہ تو نے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ تو وہ آدمی کہے گا:

((مَا تَرَكْتُ مِنْ سَبِيلٍ تُحِبُّ اَنْ يُنْفَقَ فِيهَا اِلَّا أَنْفَقْتُ فِيهَا لَكَ .))

''میں تیری مرضی کے مطابق تیری ہر راہ پر خرچ کرتا رہا۔''

تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

((كَذَبْتَ ، ولٰكِنَّكَ فَعَلْتَ لِيُقَالَ هُوَ جَوَادٌ فَقَدْ قِيْلَ .))

''کہ تو جھوٹ بولتا ہے، تو اس لیے مال خرچ کرتا رہا کہ تجھے سخی کہا جائے، وہ تجھے (دنیا میں ہی) کہہ دیا گیا۔''

اس آدمی کو بھی اللہ کے حکم پر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔'' [1]

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنیہ اوراحادیث نبویہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ کوئی بھی عمل اس وقت تک درجہ قبولیت کی منازل طے نہیں کرسکتا جب تک اس میں اخلاص کی روح موجود نہ ہو، بلکہ اس کی حالت مردہ جسم کی طرح ہے، جس کے ہاتھ تو موجود ہیں، لیکن وہ حرکت نہیں کرسکتے، جس کے پاؤں تو موجود ہیں، لیکن چل نہیں سکتے، جس کی آنکھیں تو موجود ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتیں، جس کے منہ میں زبان تو موجود ہے، لیکن کلام نہیں کرسکتی، جس کے کان اور ناک تو موجود ہیں وہ سن سکتے ہیں اور نہ سونگھ سکتے ہیں، بلکہ یہ سب کچھ موجود ہونے کے باوجود ناکارہ ہیں۔ بالکل یہی حال ریاکاری کی بنیاد پر کیے گئے اعمال کا ہے کہ ان میں محنت تو موجود ہے لیکن وہ شرف قبولیت کو نہیں پہنچ سکتے۔

اللہ رب العزت ریاکاری اور نمود ونمائش سے محفوظ و مامون فرمائے، اور نیکی کی توفیق اور اخلاص عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الأماره، باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار، رقم: ٤٩٢٣.

باب نمبر:2

علم کی اہمیت اور فضیلت

علم، خشیت الٰہی کا ذریعہ ہے:

علم اور خشیت الٰہی دونوں لازم وملزوم ہیں۔ انسان کے پاس جتنا دین کا علم زیادہ ہوگا، اتنا ہی اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہوگا۔ اگر ایک دل میں علم تو ہو، لیکن اللہ کا ڈر نہ ہو تو ایسے علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ ایسا علم ہلاکت اور تباہی کا سبب بنے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۞﴾

(الفاطر: ۲۸)

’’اور انسانوں، جانوروں اور چوپایوں میں سے بعض ایسے ہیں جن کے رنگ مختلف ہیں، لیکن اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ غالب ہے، بہت بخشنے والا ہے۔‘‘

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ﴾ اَیْ اِنَّمَا يَخْشَاهُ حَقَّ خَشْيَتِهٖ الْعُلَمَاءُ الْعَارِفُوْنَ بِهٖ لِاَنَّهٗ كُلَّمَا كَانَتِ الْمَعْرِفَةُ لِلْعَظِيْمِ الْقَدِيْرِ الْعَلِيْمِ الْمَوْصُوْفِ بِصِفَاتِ الْكَمَالِ الْمَنْعُوْتِ بِالْاَسْمَآءِ الْحُسْنٰى . كُلَّمَا كَانَتِ الْمَعْرِفَةُ بِهٖ اَتَمُّ ، وَالْعِلْمُ بِهٖ اَكْمَلُ كَانَتِ

الْخَشْيَةُ لَهُ أَعْظَمُ وَاَكْثَرُ .)) ❶

''یعنی جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اہل علم ہی ڈرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے والے ہیں، کیوں کہ جب اس کی مکمل طور پر پہچان حاصل ہوجائے گی تو اس سے اس کی خشیت اور ڈر بھی جڑ پکڑتا جائے گا، بلکہ زیادہ ہوجائے گا۔''

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''دو قسم کے لوگ کبھی سیر نہیں ہوتے، ایک صاحب علم اور دوسرا صاحب دنیا۔ اور نہ ہی وہ درجہ میں برابر ہو سکتے ہیں، کیونکہ صاحب علم رب رحمٰن کو راضی کرنے میں بہت آگے ہوتا ہے، اور صاحب دنیا سرکشی میں بہت آگے نکلا ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے قرآنِ مجید کی درج ذیل آیات تلاوت کیں:

﴿ كَلَّآ إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰٓ ⑥ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰٓ ⑦ ﴾ (العلق: ٦-٧)

''ہرگز نہیں، بے شک آدمی سرکش بن جاتا ہے۔ جب دیکھتا ہے کہ وہ دولت مند ہو گیا ہے۔''

راوی کہتے ہیں: اور مزید یہ آیت تلاوت کی:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا ﴾ (الفاطر: ٢٨)

''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔'' ❷

پہلی آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے کہ جو انسان ایمان اور معرفت الٰہی کی دولت سے محروم ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ مال و دولت اور حکومت وسلطنت سے نوازتا ہے، تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب وہ کسی کا محتاج نہیں، اور رب العالمین کو یکسر بھول جاتا ہے۔ طغیان و سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، کبر وظلم اس کی صفت بن جاتی ہے، کمزوروں کو حقیر سمجھنا اور دوسروں کا مذاق اُڑانا اس کا شیوہ بن جاتا ہے۔

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ٥٥٣/٣، طبع امجد اکیڈمی، لاہور.

❷ سنن الدارمی: ١٠٨/١، رقم: ٣٣٢.

اور دوسری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے حقیقی معنوں میں ڈرتے ہیں، جاہل نادان ہوتا ہے اسی لیے اللہ سے ڈرتا نہیں۔

علم اور جہالت برابر نہیں:

یہ بات تو ہر کسی پر عیاں ہے کہ جس طرح آسمان اور زمین جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح آگ اور پانی اکٹھے نہیں ہو سکتے، جس طرح مشرق اور مغرب کا اجتماع ناممکن ہے، جس طرح ایمان اور نفاق ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے، جس طرح کفر اور اسلام ایک دل میں گھر نہیں کر سکتے، بالکل ایسے ہی علم اور جہالت برابر نہیں ہو سکتے، کیونکہ علم سے اللہ ربّ العزت کی پہچان حاصل ہوتی ہے، جب کہ جہالت سے انسان اس کی معرفت سے ناآشنا رہتا ہے۔ علم سے اچھے برے کی تمیز ہوتی ہے، جب کہ جہالت سے یہ تمیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ علم سے سیدھے راستے کا تعین ممکن ہے، جبکہ لاعلمی میں اس کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہے۔ اللہ ربّ العزت نے اس مضمون کو قرآن حکیم میں بایں الفاظ بیان کیا ہے:

﴿ اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَ يَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۟ ﴾ (الزمر: ۹)

''کیا بھلا وہ شخص جو ربّ العالمین کی رحمت کی امید کے بل بوتے پر، آخرت سے ڈرتے ہوئے اپنی ساری رات قیام وسجود میں گزار دیتا ہے۔ اے نبی! کہہ دے، کیا علم والے، اور علم نہ رکھنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔''

شرک کی تردید کرتے ہوئے اللہ رب العزت نے بتایا کہ جس اللہ نے آسمان وزمین کو ایک خاص مقصد کی خاطر پیدا کیا ہے، یقیناً وہی قادر مطلق عبادت کے لائق ہے، لیکن اس حقیقت کا ادراک اہل علم، اہل ایمان ہی کر پاتے ہیں۔ جاہل کفار کی آنکھوں پر پٹی بندھی

ہوتی ہے، اور ان کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے، انہیں آسمان و زمین کی تخلیق اور ان کے خالق کے بارے میں غور وفکر کی کہاں توفیق ہوتی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَ مَا يَعْقِلُهَاۤ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳﴾

(العنکبوت: ٤٣)

’’ہم ان مثالوں کو لوگوں کے لیے بیان فرما رہے ہیں جن کو صرف علم والے ہی جانتے ہیں۔‘‘

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((اَیْ وَمَا یَفْهَمُهَا وَیَتَدَبَّرُهَا اِلَّا الرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ الْمُتَضَلِّعُوْنَ مِنْهُ .)) [1]

’’یعنی اللہ کی ان بیان کردہ مثالوں کو صرف وہی لوگ سمجھنے کی استطاعت رکھتے ہیں جو اپنے علم میں مضبوط ہیں، اور اس کے پیچ وتاب کو سمجھنے والے ہیں۔‘‘

جہالت صرف طلب دنیا کا باعث ہے:

اللہ تعالیٰ نے قارون کے قصے کو قرآن حکیم میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ وہ ایک دن خوب صورت لباس پہنے ہوئے، بہترین سواری پر سوار ہو کر، خادموں اور لونڈیوں کے جھرمٹ میں لوگوں کے سامنے نمودار ہوا تو دنیاوی عیش وعشرت کے خواہش مند حضرات نے بھی یہ خواہش اور تمنا کی کہ کاش! ہمارے پاس بھی اتنا مال ومتاع ہوتا، تمام دنیاوی آرائشیں ہمیں بھی میسر ہوتیں، خوبصورت لباس ان کے مقدر میں بھی ہوتے، یہ بہترین سواریاں اور خادموں اور لونڈیوں کے جھرمٹ ان کے پاس بھی ہوتے۔ جب ان کے اس رویے کو اہل علم نے دیکھا تو فوراً کہنے لگے کہ اللہ کے ہاں جو نیک اعمال کا اجر وثواب ہے۔ وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ اس واقعے کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بایں الفاظ سے بیان کیا ہے:

[1] تفسیر ابن کثیر: ٣/ ٤١٤.

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝۷۹ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَ لَا يُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝۸۰﴾ (القصص: ۷۹۔۸۰)

''پس قارون پوری آرائش کے ساتھ اپنی قوم کے مجمع میں نکلا تو دنیاوی زندگی کے متوالے کہنے لگے کاش! کہ ہمیں بھی کسی طرح وہ مل جاتا جو قارون کو دیا گیا ہے، یہ تو بڑا ہی قسمت کا دھنی ہے۔ اہل علم انھیں سمجھانے لگے کہ افسوس! بہتر چیز تو وہ ہے جو بطورِ ثواب انھیں ملے گی جو اللہ پر ایمان لائیں، اور نیک اعمال کریں، یہ بات انہی کے دل میں ڈالی جاتی ہے جو صبر والے ہوتے ہیں۔''

سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا جہالت سے پناہ مانگنا:

اللہ تعالیٰ نے گائے کے قصے میں سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کو یوں بیان کیا ہے:

﴿وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۶۷﴾

(البقرۃ: ۶۷)

''اور موسیٰ نے جب اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے تو انھوں نے کہا: ہم سے مذاق کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔''

کسی کا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے:

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کسی کا بے جا مذاق اڑانا جہالت کی علامت ہے، جو کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے، اسی لیے تو سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے ان کے کہنے پر کہ ﴿قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ﴾ ......''ہم سے مذاق کیوں کرتے ہو۔''

جواباً فرمایا تھا؛

﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾

''کہ میں ایسا جاہل ہونے سے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔''

امام الانبیاء ﷺ کو جاہلوں سے اعراض کا حکم:

اللہ ربّ العزت نے نبی آخر الزمان، رحمۃ اللعالمین ﷺ کو جاہل لوگوں سے اعراض کا حکم ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾

(الأعراف: ١٩٩)

''آپ درگزر کو اختیار کریں، نیک کام کی تعلیم دیں، اور جاہلوں سے کنارہ کش ہوجائیں۔''

جہالت اور بندۂ رحمان کا کوئی جوڑ نہیں:

اللہ ربّ العزت نے جہاں اپنے بندوں کے بہت سارے اوصاف بیان کیے ہیں، وہاں ایک وصف یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب جاہل اور نادان لوگ انہیں کوئی غیر مناسب بات کہہ دیتے ہیں تو برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ ان کے شر سے بچنے کے لیے خاموشی اختیار کرتے ہیں یا کوئی ایسا جواب دیتے ہیں جس سے شر ٹل جائے۔

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴾ (الفرقان: ٦٣)

''رحمان کے (سچے) بندے وہ ہیں جو زمین پر عاجزی وفروتنی سے چلتے ہیں۔ اور جب بے علم لوگ ان سے باتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ سلام ہے۔''

سیّدنا نوح علیہ السلام کو وقوعِ جہالت کی صورت کی وجہ سے تنبیہ:

جب سیّدنا نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے لیے بخشش کی دعا مانگی تو اللہ ربّ العزت

نے آپ علیہ السلام کو ان الفاظ سے خبردار کیا:

﴿قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ صَالِحٍ‌ ‌ۖ فَلَا تَسۡـَٔـلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ۝ ﴾

(هود: ٤٦)

''اللہ نے فرمایا: اے نوح! یقیناً وہ تیرے گھرانے سے نہیں ہے، اس کے کام بالکل ہی ناشائستہ ہیں، تجھے ہرگز وہ چیز نہیں مانگنی چاہیے جس کا تجھے مطلقاً علم نہ ہو۔ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے اپنا شمار کرانے سے باز رہ۔''

مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو تنبیہ کی کہ جس مقصد کے پورے طور پر صائب ہونے کا آپ کو علم نہ ہو اس کا اللہ سے سوال نہ کیجیے، اس لیے کہ ایسا کرنا نادانوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ علماء نے اسی سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس بات کے مطابق شرع ہونے کا آدمی کو علم نہ ہو اس کی دعا نہیں کرنی چاہیے۔

سیاحت سے جہالت ختم ہو جاتی ہے:

اللہ ربّ العزت نے جہاں انسان کو قرآنی حقائق پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی ہے، وہاں زمین کے اندر چلنے پھرنے اور اس کے حالات پر غور وفکر کی طرف بھی راغب کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ‌ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ اَمۡثَالُهَا ۝ ﴾ (محمد: ١٠)

''کیا ان لوگوں نے زمین میں چل پھر کر اس کا معائنہ نہیں کیا کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیا نتیجہ ہوا؟ اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا، اور کافروں کے لیے اسی طرح کی سزائیں ہیں۔''

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ ۱۰۹

(یوسف: ۱۰۹)

”کیا زمین میں چل پھر کر انھوں نے دیکھا نہیں کہ ان سے پہلے لوگوں کا کیسا انجام ہوا؟ یقیناً آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہت ہی بہتر ہے، کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے۔“

جاہل اندھے کی مانند ہے، خیر وشر میں تمیز نہیں کر پاتا:

انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کی سمجھ سے بالاتر ہو اگر اس کی کوئی مثال پیش کر دی جائے تو اس چیز کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح انسانی فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق اللہ ربّ العزت نے بھی علم اور جہالت کے درمیان فرق کو واضح کرنے کے لیے مختلف مقامات پر مختلف انداز سے مثالیں پیش کی ہیں۔ ان مثالوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ربّ کائنات فرماتا ہے:

﴿ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴾ ۴۳

(العنکبوت: ۴۳)

”اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان فرماتے ہیں، جنھیں صرف علم والے ہی سمجھتے ہیں۔“

ان مثالوں میں سے ایک مثال ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ ۱۹ (الرعد: ۱۹)

”کیا وہ شخص جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کے رب کی طرف سے جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ یقیناً نصیحت تو

عقلمند ہی قبول کرتے ہیں۔''

جہالت، قربِ قیامت کی نشانی ہے:

سیّدنا ابوامیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ لوگ جاہلوں سے علم حاصل کریں گے۔'' [1]

علم اور دُعا:

دعا کا علم کے ساتھ انتہائی گہرا تعلق ہے، جیسا کہ گذشتہ ابواب میں یہ وضاحت ہوچکی ہے کہ؛

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا﴾

''اللہ سے اس کے بندوں میں سے علم والے ہی اس کا خوف رکھتے ہیں۔''

اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ اللہ سے دعا بھی وہی مانگے گا، جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہوگا۔

یہ تو تھی ایک عقلی دلیل، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دعا کا علم سے بہت گہرا تعلق ہے۔ لیکن یہاں پر ایک مستقل باب اس عنوان سے قائم کرنے سے ہمارا مقصود صرف یہی ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ان دعاؤں کو نقل کردیا جائے جن میں حصولِ علم کے لیے دعائیں کی گئی ہیں۔

پہلی دُعا:

اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے زیادتی علم کی دعا کرتے رہیں:

﴿رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿١١٤﴾﴾ (طٰهٰ: ١١٤)

''اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔''

---

[1] صحيح الجامع الصغير، للألباني، رقم: ٢٢٠٣.

صاحب ''فتح البیان'' رقمطراز ہیں کہ رب کائنات نے اپنے رسول کو علم کے علاوہ کسی بھی چیز میں زیادتی طلب کرنے کی نصیحت نہیں کی۔ (تیسیر الرحمن، ص: ۹۱۱)

دوسری دُعا:

﴿رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾﴾ (البقرۃ: ۱۲۷-۱۲۸)

''اے اللہ! ہمارے اس عمل کو شرفِ قبولیت سے نواز دے۔ تو ہی (دعاؤں کو خوب) سننے والا (اعمال کو خوب) جاننے والا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنا فرمانبردار بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت کو نکال جو تیری فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یعنی سیّدنا ابراہیم اور سیّدنا اسماعیل علیہما السلام کی اس حالت کو یاد کرو جب وہ بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے، اور اس عظیم کام پر تسلسل اور پابندی سے لگے ہوئے تھے، اور یہ کہ اس وقت ان پر خوف اور اُمید کی سی کیفیت طاری تھی، حتی کہ اس عظیم عمل کے باوجود انھوں نے دعا کی کہ ان کا عمل قبول کیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو، اور انھوں نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے اسلام کی دعا کی۔ جس کی حقیقت قلب کا خشوع وخضوع ہے، اور دل کا اپنے رب کا مطیع ہوجانے اور اعضاء وجوارح کے فرماں بردار ہونے کو متضمن ہے۔'' (تفسیر السعدی: ۱/۱۶۱)

تیسری دُعا:

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ

عِلْمًا)) ❶

''اے اللہ! جو تو نے مجھے سکھایا ہے اسے میرے لیے نفع مند بنا، اور مجھے ایسا علم عطا فرما جو میرے لیے نفع بخش ہو اور میرے علم میں اضافہ فرما۔''

چوتھی دُعا:

سیّدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ ، وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا .)) ❷

''اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے، اور اس دل سے جو ڈرے نہ، اور اس نفس سے جو سیر نہ ہو، اور اس دعا سے جو قبول نہ کی جائے۔''

پانچویں دُعا:

جب سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے سامنے دعوتِ توحید رکھنے کا حکم ملا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ﴿٢٥﴾ وَ يَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ﴿٢٦﴾ وَ احْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ﴿٢٨﴾﴾ (طٰہٰ: ٢٥ـ٢٨)

''اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے، اور میرا کام آسان کردے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے، تاکہ وہ میری بات سمجھ سکیں۔''

چھٹی دُعا:

نبی مکرم، شافع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ .)) ❸

---

❶ سنن ابن ماجه، باب الإنتفاع بالعلم والعمل به، رقم: ٢٥١ـ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

❷ صحيح مسلم، باب الذكر والدعاء، رقم: ٦٩٠٦.

❸ صحيح بخارى، باب وضع الماء عند الخلاء، رقم: ١٤٣ـ صحيح مسلم، باب فضائل عبدالله بن عباس، رقم: ٦٣٦٨.

''اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما۔''

پس ہمیں بھی دعا کرنی چاہیے:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْنَا فِي الدِّيْنِ .))

''اے اللہ! ہمیں دین کی سمجھ عطا فرما۔''

ساتویں دُعا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا ، وَرِزْقًا طَيِّبًا وَعَمَلًا وَمُتَقَبَّلًا)) [1]

''اے اللہ! میں تجھ سے نفع دینے والے علم، قبول ہونے والے عمل اور پاکیزہ (حلال) رزق کا سوال کرتا ہوں۔''

پہلی وحی تعلیم وتعلّم کے متعلق نازل ہوتی ہے:

علم کی اہمیت وضرورت کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے کہ رسول ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی تعلیم وتعلم سے متعلق ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤﴾ (العلق: ۱۔۵)

''اے پیغمبر! آپ پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا ہے۔ پڑھئے، اور آپ کا رب بے پایاں کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ اس نے آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

ہر معاشرہ سے ایک گروہ ضرور علم حاصل کرے:

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں اسلام کی تبلیغ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنی

[1] سنن ابن ماجة، باب ما يقال بعد التسليم، رقم: ۹۲۵۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

مقدس کتاب میں احکام کی صورت میں نازل کیا ہے، بالکل اسی طرح اسلامی احکام کو سیکھنے پر بھی زور دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝﴾ (التوبة : ١٢٢)

''اور مؤمنوں کو چاہیے کہ وہ سب ہی (میدانِ جہاد میں) نہ نکل کھڑے ہوں۔ سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے، تاکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تاکہ یہ لوگ جب اپنی قوم کے پاس واپس جائیں، تو انھیں ڈرائیں، تاکہ وہ ڈر جائیں۔''

طلب علم فرض ہے:

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ .)) [1]

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

علم وراثت انبیاء ہے:

علم انبیاء کی وراثت ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

((وَإِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ ، وَإِنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا ، وَرَّثُوا الْعِلْمَ ، فَمَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ .)) [2]

''علماء انبیاء کے وارث ہیں۔اور انبیاء دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑ کر گئے، بلکہ علم کی وراثت دے کر گئے ہیں، سو جس نے وہ (علم) حاصل کیا اس نے بہت

[1] سنن ابن ماجة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، ح: ٢٢٤. علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

[2] سنن ابو داؤد، کتاب العلم، رقم: ٣٦٤١۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

بڑی متاع حاصل کر لی۔''

سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آتا ہے کہ ''ایک دن بازار جا کر لوگوں کو پکارا کہ تم کو کس چیز نے مجبور کر رکھا؟ لوگوں نے پوچھا کس شے سے؟ کہا: وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم ہو رہی ہے اور تم لوگ یہاں بیٹھے ہو! لوگوں نے پوچھا کہاں تقسیم ہو رہی ہے؟ کہا مسجد میں! لوگ دوڑے دوڑے مسجد میں گئے لیکن یہاں کوئی مادی میراث نہ تھی، اس لیے لوگ لوٹ گئے اور کہاں کہ وہاں تو کچھ بھی تقسیم نہیں ہو رہا، البتہ کچھ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں، کچھ تلاوت قرآنِ پاک میں مشغول ہیں، کچھ حلال وحرام پر گفتگو کر رہے ہیں۔ بولے! تم لوگوں پر افسوس ہے یہی تو تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث ہے۔'' [1]

علم نور ہے:

جو لوگ اپنے ایمان میں صادق ہوتے ہیں، عمل صالح کرتے ہیں، اور ایمان کے منافی تمام کاموں سے بچتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اپنا ولی اور دوست بنا لیتا ہے۔ انہیں کفر اور شک و شبہ کی تاریکیوں سے نکال کر کھلے اور واضح حق کے رستے پر ڈال دیتا ہے۔ اور جو اہل کفر ہوتے ہیں، ان کے دوست شیاطین اور ائمہ کفر و الحاد ہوتے ہیں، وہ کفر و الحاد کو خوشنما بنا کر ان کے سامنے پیش کرتے ہیں اور راہِ حق سے انہیں برگشتہ کر کے کفر و ضلالت کی راہ پر ڈال دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۵۷﴾ (البقرہ: ٢٥٧)

''اللہ ایمان والوں کا دوست ہے، وہ انہیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر نورِ ایمان تک پہنچاتا ہے، اور کفر کرنے والوں کا دوست طاغوت ہے، جو انہیں نورِ

[1] المعجم الأسط، للطبرانی: ١/ ٢٢١.

ایمان سے محروم کر کے ظلمت کفر تک پہنچا دیتا ہے، وہی لوگ جہنم والے ہیں، اس میں ہمیشہ کے لیے رہیں گے۔''

امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے تلمیذ امام شافعی رحمہ اللہ میں علمی بصیرت کو دیکھا تو فرمانے لگے:

((إِنِّيْ أَرَى أَنَّ اللّٰـهَ تَعَالىٰ قَدْ أَلْقَى عَلَيْكَ نُوْرًا ، فَلَا تُطْفِئْهُ بِظُلْمَةِ الْمَعْصِيَةِ .)) ❶

''میں دیکھ رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے علمی بصیرت عطا کر رکھی ہے، پس تم اسے معصیات کی تاریکی کے ذریعے مت گنوانا۔''

علم بلندی درجات کا سبب ہے:

یہاں پر ایک بات کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ بلندیٔ درجات کے لیے علم کے ساتھ تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا دل میں پایا جانا نہایت ضروری ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کسی کے پاس علم تو ہو، لیکن اس کے دل میں خشیت الٰہی موجود نہ ہو، تو ایسا علم بلندیٔ درجات کے بجائے ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد رحمۃ للعالمین ﷺ ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ .)) ❷

''بے شک اللہ ربّ العزت اس کتابِ مقدس کے ذریعے کچھ لوگوں کو تو بلندیٔ درجات سے نواز دیتے ہیں اور کچھ لوگوں کو پستی کی گہرائیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔''

علم حکمت ہے:

علم اور حکمت لازم وملزوم چیزیں ہیں، اور یہ حکمت اللہ تعالیٰ اہل علم کو ہی عطا کرتا ہے۔ کلام حکمت بہت بڑی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، جو ہر کسی کو عطا نہیں کی جاتی، اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی ہے:

---

❶ الجواب الكافى، ص: ١٣٠، طبع دار المعرفة ، بيروت ، لبنان.

❷ صحيح مسلم، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه، وفضل من تعلم حكمة من فقه او غيره فعمل بها وعلمها، رقم: ١٨٩٧.

﴿ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ (البقرۃ: ۲۶۹)

''وہ (اللہ تعالیٰ) جسے چاہے حکمت اور دانائی دیتا ہے۔ اور جس شخص کو حکمت عطا کر دی گئی، اسے بہت ساری بھلائی مل گئی، اور نصیحت صرف عقلمند ہی حاصل کرتے ہیں۔''

عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم احکامات نازل فرمائے ہیں، جن میں بہت سے اسرار اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ اور ان پر عمل کی توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی، بلکہ صرف اسی کو ملتی ہے، جس پر اللہ کا خاص احسان ہو اور اُسے اللہ حکمت عطا فرما دے۔ حکمت سے مراد علم نافع، عمل صالح، اور شریعت کے اسرار اور حکمتوں سے واقفیت ہے۔ جسے اللہ ایسی حکمت دے دے اسے اللہ نے بہت بھلائی عطا فرما دی۔ اس بھلائی سے عظیم تر بھلائی کون سی ہو سکتی ہے، جس میں دنیا اور آخرت کی خوش نصیبی پنہاں ہو، اور جس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی بدنصیبی سے نجات مل جائے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمت خاص لوگوں کو ملتی ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے۔ پس بندے کو کمال صرف حکمت سے حاصل ہوسکتا ہے۔ کیونکہ کمال نام ہے علمی اور عملی قوت کے کامل ہونے کا۔ علمی قوت تو حق کی معرفت سے اور اس کے مقصود کی معرفت سے کامل ہوتی ہے۔''

(تفسیر السعدی: ۱/۳۲۰)

علم وحکمت امام مالک رحمہ اللہ کی نظر میں:

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

((وَإِنَّهُ يَنْفَعُ فِيْ قَلْبِيْ اِنَّ الْحِكْمَةَ هُوَا الْفِقْهُ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ ، وَأَمْرٌ

یُـدْخِلُهُ اللّٰهُ فِی الْقُلُوْبِ مِنْ رَحْمَتِهٖ وَفَضْلِهٖ، وَمِمَّا یُبَیِّنُ ذٰلِكَ اِنَّكَ تَـجِدُ الرَّجُلَ عَاقِلاً فِیْ أَمْرِ الدُّنْیَا اِذَا نَظَرَ فِیْهَا، وَتَجِدُ آخَرَ ضَـعِیْفًا فِی اَمْرِ دُنْیَاهُ، عَالِمًا بِاَمْرِ دِیْنِهٖ بَصِیْرٌ بِهٖ، یُوْتِیْهِ اللّٰهُ اِیَّاهُ وَیُحْرِمُهٗ هذَا فَا الْحِكْمَةُ اَلْفِقْهُ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ .)) [1]

''اور میرے دل میں یہ بات پختہ ہو چکی ہے کہ حکمت دین میں فقاہت کا نام ہے۔ اور ایسی بات کو بھی حکمت کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے دل میں داخل کر دیتا ہے۔ اور اس کی وضاحت اس تجربے سے بھی ہوتی ہے کہ بسا اوقات بعض آدمی دنیاوی معاملات کو اچھی طرح سمجھنے والے ہوتے ہیں، لیکن اس کے مقابلے میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو دنیاوی معاملات میں تو پختہ رائے کے مالک نہیں ہوتے، لیکن دینی معاملات میں بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کی گہرائیوں سے بھی بہرہ ور ہوتے ہیں۔ (دنیا جاننے والے کو تو) اللہ نے (دنیا ہی) دے دی، لیکن اس کو دین کی فقاہت سے محروم رکھا۔ (تو معلوم ہوتا ہے کہ) حکمت دین میں فقاہت کا نام ہے۔''

نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت:

نبی مکرم ﷺ کے مقاصد بعثت میں سے ایک مقصد تعلیم حکمت بھی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝﴾

(الجمعة : ۲)

''(اللہ) وہ ذات ہے کہ جس نے ''اُمّــی'' لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳۲۳/۳۔ طبع عربی .

بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس (نبی کی بعثت) سے پہلے یقیناً وہ واضح گمراہی پر تھے۔''

علم وحکمت ایسی نعمت ہے کہ جس پر رشک کیا جاسکتا ہے:

حکمت اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی عظیم نعمت ہے، جس پر رشک کیا جاسکتا ہے۔

آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے؛

((لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَیْنِ : رَجُلٌ اٰ تَاهُ اللّٰهُ مَالًا ، فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَكَتِهٖ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ اٰتَاهُ اللّٰهُ حِكْمَةً، فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا)) [1]

''دو آدمیوں کے علاوہ اور کسی آدمی پر رشک کرنا جائز نہیں ہے۔ ایک وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا کیا اور اس کو حق کے راستے میں خرچ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور دوسرا وہ آدمی کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت سے نوازا، جس کے ذریعے وہ فیصلہ کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔''

سیّدنا یوسف علیہ السلام اور حکمت:

سیّدنا یوسف علیہ السلام جب جوانی کو پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم اور حکمت جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ کیا ہے:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝۲۲﴾

(یوسف : ۲۲)

''اور جب (یوسف) پوری جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے انھیں قوتِ فیصلہ (حکمت) اور علم دیا، اور ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔''

---

[1] صحیح مسلم، باب فضل من یقوم بالقرآن، رقم: ۱۸۹۶.

علم رحمتِ الٰہی کا ذریعہ ہے:

علم شرعی اللہ عزوجل کا عظیم فضل واحسان اور بہترین رحمت الٰہی ہے، علم کے آجانے پر انسان اللہ عزوجل سے اس کی رحمت کا سوال کرتا ہے وگرنہ نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَ وَ مَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾﴾

(الحجر: ٥٦)

''گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے کوئی ناامید نہیں ہوسکتا ہے؟''

سیّدنا قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسولِ مکرم ﷺ کے پاس آیا، آپ نے مجھ سے پوچھا: اے قبیصہ! آپ کس غرض سے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، پس میں آپ کے پاس آیا ہوں، آپ مجھے علم سکھلائیے جو کہ میرے لیے نفع مند ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے قبیصہ! آپ جس جس پتھر، درخت اور مکان کے پاس سے گزر کر علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں۔ اس نے تمہارے لیے دعائے مغفرت کی ہے۔ تم جب نمازِ فجر پڑھ لو، تو کہو:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهِ .))

''اللہ عظیم و برتر ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، اور ہر قسم کی تعریف اسی کی ہے۔''

تم بینائی سے محرومی، کوڑھ اور فالج سے محفوظ رہو گے، اور اے قبیصہ! یہ دعا کیا کرو۔

((أَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ مِمَّا عِنْدَكَ ، وَافْضِ عَلَيَّ مِنْ فَضْلِكَ ، وَانْشُرْ عَلَيَّ رَحْمَتَكَ ، وَأَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ .))

''اے میرے اللہ! میں آپ سے وہ کچھ مانگتا ہوں جو آپ کے پاس ہے، یعنی مجھ پر اپنا فضل کر دے۔ مجھے اپنی وافر رحمت عطا فرما، اور مجھ پر اپنی برکات نازل فرما۔''[1]

---

[1] حسن لغيره: مسند أحمد: ٥/ ٦٠، رقم: ٢٠٦٠٢ - طبراني كبير: ١٨/ ٩٤٠.

مذکورہ بالا حدیث میں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عظیم طالب علم کو یہ درس دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کی رحمت کا سوال کرتے رہنا۔ پس معلوم ہوا کہ علم کا تقاضا ہے کہ اللہ رحیم وکریم سے اس کے کرم ورحمت اور جود وسخاء کا سوال کیا جائے۔

علم ایمان ہے:

ایمان اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جو کہ دنیا وما فیہا کی سب نعمتوں سے بہتر ہے، دل میں جتنا ایمان راسخ اور پختہ ہوگا، اسی قدر اللہ کا ڈر اور تقویٰ بھی زیادہ ہوگا۔

اور ان تمام چیزوں کا حصول علم کے بغیر ناممکن ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان تو ہو لیکن اس کے متعلق درست عقائد کا علم نہ ہو، تو یہ ایمان ہدایت کے بجائے گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کے برعکس علم رکھنے والے آدمی کے گمراہ ہونے کے کم ہی مواقع ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح ''کتاب العلم'' میں باب قائم کرتے ہیں:

((بَابٌ: اَلْعِلْمُ قَبْلَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ .))

''اس چیز کا بیان کہ قول وعمل سے پہلے علم حاصل کرنا ضروری ہے۔''

اور بطورِ دلیل کے اللہ علیم وخبیر کا فرمان عالی شان ذکر فرماتے ہیں:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (محمد: ۱۹)

''آپ جان لیں، یقیناً اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں۔''

بہرحال علم کے بغیر صحیح خطوط پر رضائے الٰہی کا حصول مشکل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ لاعلمی کی حالت میں انسان کوئی ایسا عمل کر جائے جو اس کے خیال میں تو رضائے الٰہی کا سبب ہو لیکن اس کے برعکس حقیقت میں وہ عمل غضب الٰہی کا موجب بن جائے اور انسان لاعلمی کی وجہ سے رفعت درجات کے بجائے پستی کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

(الکھف: ۱۰۳-۱۰۴)

”اے نبی! فرمادیں! کیا میں تمھیں ایسے لوگوں کی خبر دوں جو اعمال کرنے کے باوجود انتہائی خسارے میں جا رہے ہیں؟ وہ لوگ جن کی کوششیں دنیا میں ہی برباد ہو کر رہ گئیں، حالانکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ بہت اچھے عمل کر رہے ہیں۔“

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں اور اہل علم کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ علم اور ایمان لازم وملزوم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ﴾ (المجادلہ: ۱۱)

”اور جب تمھیں کہا جائے کہ (مجلس سے) اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ، تو تم اُٹھ کھڑے ہو جایا کرو۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو بلند فرمائے گا۔“

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ جب وہ قرآن کی کسی متشابہ آیت کو دیکھتے ہیں تو بلا تاویل کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ؔۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ؔۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۷﴾﴾ (آل عمران: ۷)

”وہی (اللہ کی) ذات ہے جس نے آپ پر کتاب کو نازل فرمایا جس کی بعض

آیات محکم ہیں جو اصل کتاب ہیں، اور بعض آیات متشابہات ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ فتنے کی طلب اور ان آیات کی تاویلات کی جستجو کے لیے ان کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ ان آیات کا صحیح مفہوم اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ (اس کے برعکس) پختہ علم والے (متشابہہ آیات کے بارے میں) کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں، یہ (نازل شدہ کتاب) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث کو ذکر کرنا انتہائی مناسب ہے۔

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هَذِهِ الْآيَةَ ﴿ هُوَ الَّذِى أَنْزَلَ .....الخ ﴾ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : فَإِذَا رَأَيْتِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ سَمَّى اللّٰهُ فَاحْذَرُوهُمْ .)) [1]

''اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تلاوت کیا: ﴿ هُوَ الَّذِىْ اَنْزَلَ .....الخ ﴾ پھر فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کا تذکرہ کیا ہے، وہی لوگ ہیں جو متشابہہ آیات کی تاویل میں لگ جاتے ہیں۔ پس ایسے لوگوں سے بچو۔''

اور بعض مفسرین ''راسخین فی العلم'' کے بارے میں آپ ﷺ کا ایک ارشاد نقل کرتے ہیں:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ سُئِلَ عَنِ الرَّاسِخِيْنَ فِيْ الْعِلْمِ ، فَقَالَ: مَنْ بَرَتْ يَمِيْنُهُ وَصَدَقَ لِسَانُهُ وَاسْتَقَامَ قَلْبُهُ ، وَمَن عَفَّ بَطْنُهُ

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر، رقم: ٤٥٤٧.

وَفَرجُهٗ فَذٰلِكَ مِنَ الرَّاسِخِيْنَ فِي الْعِلْمِ .)) [1]

''کہ رسول اللہ ﷺ سے ''راسخین فی العلم'' کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: قسم کو پورا کرنے والے، سچی زبان والے، اپنے پیٹ کو (حرام کمائی سے) بچانے والے اور اپنی شرم گاہ کو (زنا سے) بچانے والے۔ پس یہی لوگ ''راسخین فی العلم'' ہیں۔''

بیانِ علم:

اسلام ہمیں ہر حالت میں حق گوئی کا حکم دیتا ہے، اور کسی بھی حالت میں حق سے انحراف کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآنِ حکیم نے تین قسم کے لوگوں کے علاوہ باقی تمام انسانوں کو خسارے کی گہرائیوں میں گرتا ہوا قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝١ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝٣﴾ (العصر)

''زمانے کی قسم! بے شک انسان سراسر نقصان اور خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کیے، اور جنھوں نے آپس میں حق کی وصیت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ حق گوئی میں اعراض سے کام نہیں لیں گے، لیکن انھوں نے اس وعدے کی پاسداری نہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت ان الفاظ میں کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝١٨٧﴾ (آل عمران: ١٨٧)

[1] تفسیر ابن کثیر: ١/ ٣٤٧۔ در منثور: ٢/ ٧۔ تفسیر طبری: ٣/ ١٢٣.

''اور جب اللہ نے اہل کتاب سے یہ عہد لیا کہ تم اسے لوگوں سے ضرور بیان کرو گے، اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی انھوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا، اور اسے کم قیمت کے بدلے بیچ ڈالا، ان کا یہ سودا بہت بُرا ہے۔''

عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''میثاق اس عہد کو کہتے ہیں جو بہت مؤکد اور بھاری ذمہ داری کا حامل ہو۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی اور اسے علم سے نوازا۔ اس سے یہ عہد لیا کہ لوگ اس کے علم میں سے جس چیز کے محتاج ہوں، وہ ان کے سامنے بیان کرے، اور ان سے کوئی چیز نہ چھپائے اور نہ علم بیان کرنے میں بخل سے کام لے، خاص طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے جو علمی راہنمائی کا متقاضی ہو۔ پس اس صورتِ حال میں ہر صاحب علم پر فرض ہے کہ وہ مسئلہ کو بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دے۔ اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق سے نوازا ہے، وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم ان کو عطا کیا ہے وہ اسے اللہ کی رضا کی خاطر لوگوں پر شفقت کی وجہ سے اور کتمانِ علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔''

(تفسیر سعدی، مترجم: ١/٤٥٩)

کتمانِ علم کی سزا:

اللہ تعالیٰ نے کتمانِ علم کی سزا قرآنِ حکیم میں بایں الفاظ بیان کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓىِٕكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۷۴ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا

الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

(البقرة: ۱۷۴۔۱۷۵)

''بے شک وہ لوگ جو اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں، اور اس کو کم قیمت کے بدلے بیچ ڈالتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں۔ اللہ قیامت کے دن ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی انھیں پاک کرے گا، یہی لوگ ہیں کہ جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اور مغفرت کے بدلے عذاب کو خرید لیا ہے۔''

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''کتمانِ حق کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ پیشہ ورقسم کے لوگ اس کے عوض کچھ نہ کچھ دنیوی مفاد اور مال و دولت حاصل کر لیتے ہیں، آیات کی تاویل یا فقہاء کے مختلف اقوال کو بنیاد بنا کر غلط فتویٰ دیتے ہیں، اس طرح ایک طرف تو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، ان سے پیسے وصول کرتے ہیں، اور لطف کی بات یہ کہ فتویٰ جتنا زیادہ غلط قسم کا ہو اتنے ہی ان کے دام زیادہ وصول کیے جاتے ہیں، یہ مال بلاشبہ حرام ہے۔ جو دوزخ کی ظاہری آگ کے علاوہ ان کے اندر بھی آگ لگا دے گا۔'' (تیسیر القرآن: ۱/ ۱۳۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اگر (مذکورہ بالا) دونوں آیات کتاب اللہ کے اندر موجود نہ ہوتیں تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی حدیث بیان نہ کرتا۔'' [1]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، رقم: ۲۶۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

لِّتَفۡتَرُوۡا عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ لَا يُفۡلِحُوۡنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيۡلٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱۱۷﴾﴾

(النحل: ١١٦-١١٧)

''کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے، اور یہ حرام، تا کہ اللہ پر بہتان باندھ لو۔ بے شک اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ انھیں بہت معمولی فائدہ پہنچتا ہے، اور ان کے لیے ہی دردناک عذاب ہے۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۶۰﴾﴾ (یونس: ٥٩-٦٠)

''آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو بتلاؤ کہ اللہ نے تمہارے لیے جو کچھ رزق بھیجا تھا پھر تم نے اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حصہ حلال قرار دے دیا۔ آپ پوچھیں! کیا تمھیں اللہ نے اس کا حکم دیا تھا یا اللہ پر افترا باندھتے ہو، اور جو لوگ اللہ پر افترا باندھتے ہیں، ان کا قیامت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ واقعی لوگوں پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہے، لیکن اکثر لوگ ناقدرے ہیں۔''

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَـنْ سُـئِلَ عَنْ عِلْمٍ يَعْلَمُهُ فَكَتَمَهُ ، أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ .))

''جس شخص سے علم کے بارہ میں سوال کیا گیا، اور اس نے اسے چھپایا تو اسے

قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔'' ❶

اللہ تعالیٰ کے بارے میں لاعلمی کی بنیاد پر بات کہنے کی حرمت:

اللہ تعالیٰ نے لاعلمی کی صورت میں اپنی طرف کسی بات کو منسوب کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳﴾ (الاعراف: ٣٣)

''آپ کہہ دیجیے کہ اللہ نے حرام کر دیا ہے، پوشیدہ اور اعلانیہ فحاشی کو، اور ہر گناہ کی بات، اور کسی پر ناحق ظلم کرنے کو، اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، جس کی اللہ نے کوئی دلیل بھی نازل نہیں کی۔ اور اس بات کو کہ تم اللہ کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کرو، جس کا تمھیں علم ہی نہ ہو۔''

عبدالرحمٰن بن ناصر السّعدی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے یعنی اس کے اسماء و صفات، افعال، اور اس کی شریعت کے بارے میں لاعلمی پر مبنی بات کہنا، ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور بندوں کو ان میں مشغول ہونے سے روکا ہے، کیونکہ یہ امور مفاسد عامہ اور مفاسد خاصہ پر مشتمل ہیں اور یہ امور ظلم و تعدی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں جسارت و جرأت کے موجب، اللہ تعالیٰ کے بندوں پر دست درازی اور اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت میں تغیر و تحریف کا باعث ہیں۔'' (تفسير السعدي، مترجم: ١/٨٦٩)

---

❶ سنن ابن ماجة، مقدمه، رقم: ٢٦٦۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

ایک اور جگہ پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَخُونُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ وَتَخُونُوٓا۟ أَمَٰنَٰتِكُمْ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٧﴾ ﴾ (الانفال : ٢٧)

''اے ایمان والو! تم علم رکھنے کے باوجود اللہ اور اس کے رسول کے حق میں خیانت مت کرو، اور نہ ہی تم آپس کی امانتوں میں خیانت کرو۔''

عبدالرحمٰن بن ناصر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس نے اوامر ونواہی کی جو امانت ان کے سپرد کی ہے وہ اسے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی، تو وہ ڈر گئے اور انھوں نے اس امانت کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کردیا، اور انسان نے اس بوجھ کو اُٹھالیا، کیونکہ وہ نہایت ظالم اور نادان ہے۔ پس جو کوئی امانت ادا کرتا ہے، وہ بے پایاں ثواب کا مستحق بن جاتا ہے، اور جو کوئی یہ امانت ادا نہیں کرتا تو سخت عذاب اُس کے حصے میں آتا ہے۔''

قارئین کرام! مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لفظ ''خیانت'' تمام چھوٹے اور بڑے گناہوں کو شامل ہے۔ فرائض میں سستی، اللہ کے حدود سے تجاوز کرنا، اللہ تعالیٰ پر بغیر علم بات کرنا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کا انکار، اور مسلمانوں کا راز کافروں کو بتانا، یہ اور اسی طرح کے دوسرے سبھی گناہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت میں داخل ہیں۔ امانتوں میں خیانت یہ ہے کہ کوئی آدمی مالِ غنیمت میں سے کچھ چوری کر لے، یا اگر کسی مسلمان نے اپنے مال، اہل وعیال اور اپنے رازوں کا اس کو امانت دار بنایا ہے، تو اس میں خیانت کرے، اس کا مال ہڑپ جائے، یا اس کی بیوی پر نگاہ بد ڈالے، اسے بُرائی پر ورغلائے یا اس کے رازوں کو طشت از بام کرے اور لوگوں میں بیان کرتا پھرے۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف لاعلمی میں کوئی بات منسوب کرنے کی سزا:

جو شخص لاعلمی میں پیغمبر ﷺ کی طرف کوئی بات منسوب کر دیتا ہے، تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ چنانچہ اُمیر المؤمنین، سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ رسولِ کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ يَكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجِ النَّارَ .)) [1]

''مجھ پر جھوٹ مت بولو، پس جس نے مجھ پر جھوٹ بولا، وہ جہنم میں داخل ہوگا۔''

لاعلمی گمراہی ہے:

جس طرح علم اور صراطِ مستقیم کا آپس میں گہرا تعلق ہے، ایسے ہی لاعلمی اور گمراہی بھی لازم وملزوم ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ (الروم: ۲۹)

''اصل بات یہ ہے کہ یہ ظالم تو بغیر علم کے خواہش پرستی کر رہے ہیں، اسے کون راہ دکھائے جسے اللہ گمراہ کر دے، اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہے۔''

معلوم ہوا کہ لاعلمی سراسر گمراہی ہے۔ لاعلمی کی وجہ سے ہی انسان خواہش پرست بن سکتا ہے۔ اور بالآخر انسان گمراہی میں بہت آگے نکل جاتا ہے کہ اللہ رب العزت اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

(الروم: ۵۹)

''اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر لگا دیتا ہے۔''

---

[1] صحيح مسلم، مقدمه، رقم: ۲.

ایک حدیث شریف میں آتا ہے؛

''قربِ قیامت علم اٹھ جائے گا، پھر لوگ ایسے لوگوں سے مسائل پوچھیں گے جو ان کو نہیں جانتے ہوں گے، اور وہ لوگ لاعلمی کی حالت میں خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔'' [1]

علم یقین کا نام ہے:

جب علم میں یقین کی کیفیت پیدا ہو جائے، تو یہ انسان کے مومن ہونے کی دلیل ہے، سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

((اَلْيَقِيْنُ الْإِيْمَانُ كُلُّهُ .)) [2]

''یقین پورا ایمان ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ اگر یقینی علم انسان کے دل کو چھو لے، تو وہ دنیا کی حرص و ہوس میں نہیں پڑتا، بلکہ زہد و تقویٰ اور عمل صالح والی زندگی کو اپناتا ہے، اور اس کی یہ دنیا طلبی بعث بعد الموت اور آخرت پر عدم ایمان کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷ ﴾ (التكاثر: ۱-۷)

''لوگو! تمھیں کثرت کی چاہت نے اللہ کی یاد سے غافل کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے۔ ہرگز نہیں! تم عنقریب جان لو گے۔ پھر ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لو گے، ہرگز نہیں، اگر تم علم یقینی کے طور پر جان لیتے (تو تم کثرت کی چاہت میں نہ پڑتے، ہماری عزت و جلال کی قسم!) تم جہنم کو یقیناً دیکھو گے۔ پھر تم جہنم کو بالکل یقینی طور پر دیکھ لو گے۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب العلم، رقم: ٦٧٩٦.

[2] صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب قول النبی صلی الله عليه وسلم، بنی الاسلام علی خمسٍ.

علم اور شکر:

ذیل کی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے ابتدائی مراحل، اور اس کے بعد کے مراحل کو ذکر کیا ہے، اور اس کے ساتھ ان نعمتوں کا ذکر کیا ہے جو حصول علم کا ذریعہ ہیں، اور آخر میں فرمایا ہے: ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''تاکہ تم شکر کرو۔''

گویا کہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں عدم سے وجود بخشا، اور پھر وہی ذات ہے کہ جس نے تمھیں علم حاصل کرنے کی صلاحیت بخشی، اب حصول علم کے بعد تم پر میرا شکر لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸﴾

(النحل: ۷۸)

''اللہ نے تمھیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اسی نے تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنایا تاکہ تم شکر گزاری کرو۔''

﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷﴾ (ابراهيم: ۷)

''اور تمہارے رب نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ اگر تم میرا شکر کرو گے، تو میں تمھیں اور زیادہ دوں گا، اور اگر میری ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی بڑا سخت ہے۔''

علم، اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچاتا ہے:

ایک دل میں اللہ کی نافرمانی اور علم جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ علم تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ جبکہ نافرمانی غضب الٰہی کا موجب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ

يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴿٣٦﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''اور کسی مومن مرد وعورت کو اللہ اور اس کے رسول کے فرمان کے بعد اپنے کسی معاملے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ یادرکھو! اللہ اور اس کے رسول کی جو شخص بھی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس آدمی کے پاس علم بھی ہو، لیکن اللہ کی نافرمانی بھی کرتا ہو، تو یہ بات اس کی شایانِ شان نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے ایک نہ ایک دن اس نعمت کے چھن جانے کا بھی خدشہ اور آخرت میں سب سے زیادہ عذاب کا بھی اندیشہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾﴾ (طٰه: ١٢٤)

''اور جو میرے ذکر سے اعراض کرے گا، تو اس کی معیشت تنگ ہوجائے گی، اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔''

اس وقت انسان سوال کرے گا، پوچھے گا:

﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾﴾ (طٰه: ١٢٥)

''وہ کہے گا: میرے رب! میں دنیا میں دیکھا کرتا تھا، تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا ہے۔''

تو اللہ کی طرف سے ارشاد ہوگا:

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ﴿١٢٧﴾﴾ (طٰه: ١٢٦-١٢٧)

''اللہ فرمائے گا: تیرے سامنے بھی اسی طرح ہی ہماری آیات آتی تھیں، لیکن تو انھیں بھلا دیا کرتا تھا، لہٰذا آج تجھے بھی بھلا دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح ہم اس شخص کو سزا دیں گے جو (نافرمانی میں) حد سے بڑھ گیا، اور وہ اپنے رب کی آیات پر ایمان بھی نہ لایا۔ اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔''

عمر بن خطاب نے کعب رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''تمہیں معلوم ہے کہ ارب العلم سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ وہ لوگ اہل علم کہلانے کے حق دار ہیں جو عمل کرتے ہوں۔ فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ علماء کے دلوں سے علم کس چیز نے خارج کر دیا ہے؟ فرمایا: دنیا کی حرص اور لالچ نے۔'' [1]

یعنی اگر عالم، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان بن جائے تو اس کے دل سے علم خارج ہو جاتا ہے۔ مزید برآں اہل علم کی نافرمانی کی وجہ سے اسلام کی عمارت منہدم ہونے لگتی ہے۔ زیاد بن حدیر فرماتے ہیں: ''مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کیا تم کو معلوم ہے کہ کون سی چیز ہے جو اسلام کی عمارت کو منہدم کر سکتی ہے؟ فرماتے ہیں: میں نے کہا: مجھے معلوم نہیں! تو آپ نے فرمایا کہ اہل علم کی بد عملی، یعنی اللہ اور رسول کی نافرمانی، منافق کا کتاب کے متعلق لوگوں سے بحث مباحثہ اور گمراہ ائمہ کا حکمران بن جانا، اسلام کی عمارت کو منہدم کر سکتا ہے۔'' [2]

حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''علم دو طرح کا ہے، ایک علم وہ ہے جو انسان کے دل میں ہو، پس یہی علم نافع ہے۔ اور دوسرا علم صرف زبان کی حد تک رہتا ہے، پس یہ علم (روزِ قیامت) ابن آدم کے خلاف حجت بن کر آئے گا۔'' [3]

---

[1] سنن دارمی : ١/١٥٢، رقم: ٥٨٤.
[2] سنن دارمی : ١/٨٢، رقم: ٢١٤.
[3] سنن دارمی: ١/١١٤، رقم: ٣٦٤.

علم یومِ آخرت پر ایمان کا درس دیتا ہے:

روزِ قیامت جہاں اور تمام اعمال کے متعلق سوال ہوگا، وہاں علم کے بارے میں بھی سوال ہوگا، چنانچہ سیّدنا ابو اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

((لَا تَـزُولُ قَـدَمَـا عَبْـدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيْمَا أَفْـنَـاهُ ، وَعَـنْ عِلْمِهِ فِيمَ فَعَلَ ، وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَ أَنْفَقَهُ ، وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَ أَبْلَاهُ .)) [1]

"قیامت کے دن کسی بندے کے قدم (پانچ چیزوں کے بارے میں) سوال کیے جانے کے بغیر نہیں اٹھ سکیں گے یعنی بارگاہِ الٰہی سے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔

(1) اس کی عمر کے بارے میں کہ اس نے اسے کن کاموں میں ختم کیا؟

(2) اس کے علم کے متعلق کہ اس نے علم کو کیسے استعمال کیا۔ (لڑائی جھگڑوں کے لیے، شہرت کے لیے یا اللہ کی رضا کے لیے)

(3) اس کے مال کے بارے میں کہ اس نے اس کو کہاں سے کمایا۔

(4) اور کہاں خرچ کیا۔

(5) اور اس کے جسم کے بارے میں کہ اس نے کن چیزوں میں اسے بوسیدہ کیا۔"

شہنشاہِ دو جہاں، اللہ ربّ العزت روزِ قیامت جب مخلوقات کا حساب لے ہوگا، تو ساری مخلوقات اس کے سامنے اس کے جلال وعظمت اور کبریائی سے ایسی مرعوب ہوگی کہ کسی کو اس کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہ ہوگی، موت کے بعد صرف وہی لوگ دوسروں کی سفارش کی خاطر اللہ عزوجل سے بات کریں گے، جنھیں وہ جبار اور قہار بات کرنے کا اذن بخشے گا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] سنن ترمذی، باب فی القیامة، رقم: ٢٤١٧۔ سلسلة الصحیحة: ٩٤٦.

﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿٣٨﴾﴾ (النبا: ۳۸)

''اس (قیامت کے) دن روح الامین (جبرائیل) اور دیگر فرشتے (بھی) صفوں میں کھڑے ہوں گے، رحمان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کلام نہیں کر سکے گا، اور (جس کو وہ اجازت دے گا) وہ صاف صاف بات کرے گا۔''

علم ہو تو دعوتِ الی اللہ کا کام ضرور کریں:

اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھا کر کہا ہے کہ بالعموم انسان خسارے میں ہے، سوائے اس آدمی کے جس کے اندر چار صفات پائی جائیں، جن کا ذکر سورۃ العصر کی آیت نمبر ۳ میں آیا ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿٢﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾﴾ (العصر)

''زمانے کی قسم! بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، اور ایک دوسرے کو (ایمان اور عمل صالح کی) نصیحت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔''

1۔ اللہ رب العزت نے جن باتوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، ان پر ایمان لائیں۔

2۔ عمل صالح کا اہتمام کریں۔

3۔ ایمان اور عمل صالح میں آپس میں ایک دوسرے کو نصیحت کریں اور ان پر عمل کی رغبت دلائیں۔

4۔ اللہ کی طاعت و بندگی بجا لانے، اور نواہی میں جو تکلیف اور زحمت اُٹھانی پڑے، اس پر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کریں، نیز ان دیگر تکلیفوں پر بھی ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کریں، جو اللہ کی تقدیر کا نتیجہ ہوتی ہیں اور جنہیں اللہ کے سوا کوئی ٹال نہیں سکتا۔

پس جس بندے میں یہ چاروں صفات پائی جائیں گی وہ خسارے اور گھاٹے سے بچ

جائے گا، اور دونوں جہانوں دنیا و آخرت میں فوز و فلاح کا حق دار ٹھہرے گا۔

نبی کریم ﷺ کا ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانا آپ کا طریقہ، منہج اور سنت تھا۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ماننے والے اہل ایمان واضح دلیل و برہان کی بنیاد پر لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے۔ اس عقیدہ اور ایمان کے ساتھ کہ اللہ کی ذات ہر عیب ونقص سے پاک ہے، اس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ مقابل، نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ بیوی۔ وہ ان تمام عیوب ونقائص اور تمام کمزوریوں سے یکسر پاک ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (یوسف: ۱۰۸)

''اے نبی! آپ اعلان کر دیجیے، میری یہی راہ ہے، میں اور میرے فرمانبردار پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

''اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسلام کی دعوت دلیل و حجت کی بنیاد پر ہے۔ قرآنِ کریم نے اسی کی تعلیم دی ہے، نبی کریم ﷺ اور صحابۂ کرام اسی منہج پر قائم رہے۔ انہوں نے لوگوں کو دلائل کے ذریعہ قائل کرنے کی کوشش کی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ماننے والے ہر دور میں اللہ کی مخلوق کو اس کی توحید و عبادت کی دعوت دیتے رہیں گے۔ اور دعوت میں حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ گفتگو مخاطب کی عقل وسمجھ کے مطابق ایسی صفاف ستھری ہو کہ وہ آسانی کے ساتھ قرآن وسنت کی دعوت کو سمجھ لے......'' (تیسیر الرحمن، ص: ۷۰۲)

اس آدمی سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتا ہے، اور جن اعمالِ صالحہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے ان پر پہلے خود عمل کرتا ہے، اور پورے فخر واعزاز کے ساتھ کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾ وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾﴾

(حٰمٓ السجدة : ٣٣، ٣٤)

''اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے، جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے، اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔ نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو، پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا کہ وہ دوست ہے نہایت گہرا۔''

''مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت کے مصداق سب سے پہلے انبیائے کرام ہیں، پھر علماء، پھر مجاہدین، پھر اذان دینے والے، پھر توحید خالص اور قرآن وسنت کی دعوت دینے والے۔

(مزید برآں) نبی کریم ﷺ اور دیگر دعاۃ الی اللہ کو ایک بہت ہی اہم تعلیم دی گئی ہے، اور اس کی ابتدا یوں کی گئی ہے کہ اچھا عمل اور بُرا عمل دونوں برابر نہیں ہو سکتے ہیں، اچھا عمل آدمی کو جنت تک پہنچاتا ہے اور فرشتوں کی صحبت کا سبب بنتا ہے، اور بُرا عمل جہنم کی طرف لے جاتا ہے، اور شیاطین کی دوستی کا ذریعہ بنتا ہے، اس لیے اے میرے نبی! اگر کوئی برائی آپ کے آڑے آئے، تو اچھائی کے ذریعہ اسے اپنے آپ سے دُور کر دیجیے، برائی کا جواب اچھائی سے، قصور کا جواب عفو و درگزر سے، غصہ کا جواب صبر سے، لغزش کا جواب نظر انداز کر کے اور دعوت کی راہ میں ایذا رسانیوں کو برداشت کر کے دیجیے۔ آپ جب ایسا کریں گے تو دشمن دوست اور دُور قریب کی طرح ہو جائیں گے۔

قاشانی لکھتے ہیں: جب آپ دشمن کی بُرائی کو کسی بہت ہی بہتر اچھائی کے ذریعہ دُور کر سکتے ہیں، تو اس سے کم درجہ کی اچھائی کے ذریعہ اسے دُور نہ کیجیے۔ بُرائی کے ذریعہ اس کا دُور کرنا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہوگا، کیونکہ آگ کے شعلے اور بھڑک اُٹھیں گے، اور آپ

اپنی خواہش اور شیطان کے پیروکار ہو جائیں گے۔'' (تیسیر الرحمٰن: ۲/۱۳۴۳۔۱۳۴۴)

لوگوں کو قرآن وسنت کے فہم اور صحابہ کرام کے منہج پر دعوت دین دینے میں اللہ کی رضا ہے، اور اسی کی دعوت سلف صالحین نے دی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں فرمایا:

﴿ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞﴾ (ابراهیم: ۵۲)

''یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے اطلاع نامہ ہے کہ اسی کے ذریعے سے وہ ہوشیار کردیے جائیں، اور بخوبی معلوم کرلیں کہ اللہ ایک ہی معبود ہے اور تاکہ عقل مند لوگ سوچ سمجھ لیں۔''

مندرجہ بالا آیات میں دعوتِ الی اللہ کی اہمیت کو واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اور سوالیہ انداز اپنا کر اس کی اہمیت کو اور اجاگر کردیا گیا ہے۔

اور مشہور قاعدہ ہے کہ کلام میں کبھی کبھی استفہام، سوالیہ انداز کسی بھی شئے کی رفعتِ شان کے لیے آتا ہے۔

دعوتِ الی اللہ کی خاطر مصائب وآلام برداشت کرنا:

قارئین کرام! گزشتہ آیات کریمہ میں جہاں دعوتِ الی اللہ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے، وہاں اس راستے پر چلنے والے کے اوصاف بھی بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۞ وَ اِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞﴾ (حٰمٓ السجده: ۳۵۔۳۶)

''اور یہ بات انھیں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں، اور اسے سوائے بڑے نصیب والوں کے کوئی نہیں پاسکتا۔ اور اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آئے تو اللہ سے پناہ طلب کرو، یقیناً وہ بہت ہی سننے والا ہے۔''

حافظ ابن کثیر، ان آیاتِ کریمہ کی تفسیر میں مفسر قرآن سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کرتے ہیں:

((اَمَرَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاالصَّبْرِ عِنْدَ الغَضَبِ ، وَالْحِلْمِ عِنْدَ الْجَهْلِ ، وَالْعَفْوِ عِنْدَ الْاَسَاءَ ةِ۔ وَخَضعَ لَهُمْ عَدُوَّهُمْ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِيْمٌ)) [1]

''یعنی اللہ تعالیٰ مؤمنین کو غصے کے وقت صبر، لاعلمی میں بردباری، اور بدسلوکی کیے جانے پر معافی کا حکم دیتا ہے۔ اور (ان اوصاف کے نتیجے میں) ان کے دشمن کو ان کے سامنے ایسے جھکا دے گا جیسے کہ دلی دوست۔''

ظاہر بات ہے کہ اس راستے پر چلنے والے کو مختلف راہوں سے گذرنا پڑتا ہے، جیسا کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ہمارے سامنے ہے۔ اور وہی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے پہلی وحی آنے کے بعد گھبرا کر چادر اوڑھ کر لیٹ گئے تھے۔ تو ربّ العالمین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے واضح الفاظ میں یوں مخاطب کیا تھا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۙ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۭ ﴾

(المدثر: ۱۔۷)

''اے چادر اوڑھنے والے! کھڑے ہو جا۔ پس (لوگوں کو) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک رکھ، اور ناپاکی سے دور رہ۔ اور احسان کر کے زیادہ لینے کی خواہش نہ کر۔ اور اپنے رب کی راہ میں صبر کر۔''

داعی الی اللہ کے اوصاف:

قارئین کرام! ان مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ پر غور کیا جائے، تو داعی دین کے کچھ اوصاف

---

[1] المصباح المنیر فی تهذیب تفسیر ابن کثیر، ص: ۱۲۲٤، دار السلام.

معلوم ہوتے ہیں جو ذیل کی سطور میں قدرے تفصیل کے ساتھ سپردِ قرطاس کیے دیتے ہیں۔

(1) دعوتِ دین کے لیے کمربستہ ہوجانا:

دعوتِ دین کے لیے کسی بھی قسم کے سمجھوتے اور دباؤ کو نہ صرف نظر انداز کردیا جائے، بلکہ اس کا ہر ممکن منہ توڑ جواب دیا جائے۔ جیسا کہ (سورۂ مدثر) کی پہلی تین آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلۡمُدَّثِّرُ ۝١ قُمۡ فَأَنذِرۡ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۝٣﴾

''اے چادر اوڑھنے والے! آپ کھڑے ہوجائیں اور لوگوں کو (ان کے رب سے) ڈرائیں۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کریں۔''

لوگوں کو ڈرائیں، کس چیز سے ڈرائیں؟ کس انداز سے ڈرائیں؟ کیا ان سے اس معاملے میں کوئی سمجھوتہ (یا ڈیلنگ) بھی ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ان کو اپنی باتیں منوانے کے لیے ان کے بعض نظریات کو بھی تسلیم کرلیا جائے؟ نہیں! نہیں! ہرگز نہیں! بلکہ ربِّ کائنات تو پہلے دن سے آپ کی تربیت یوں کرتے ہیں:

﴿قُمۡ فَأَنذِرۡ ۝٢ وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۝٣﴾

''کہ آپ لوگوں کو ڈرائیں، اور اپنے رب کی تکبیرات کی صدائیں بلند کریں۔''

یعنی ان کو بتوں کی پوجا پاٹ کے نتیجے میں ملنے والے عذابِ الٰہی سے ڈرائیں، ان کو لات وعزیٰ کی عبادت کے نتیجے میں رحمان کی دوری سے ڈرائیں، اور اس انداز سے ڈرائیں کہ اتنا کچھ کہنے اور سمجھانے کے باوجود لات وعزیٰ کی عبادت کو ترک نہ کرنے والوں کے دلوں میں بھی رب کی کبریائی کی دھاک بیٹھ جائے، اور کفر کے ایوانوں میں بھی (اللہ اکبر) کی صدائیں گونج اٹھیں، تاکہ اگر وہ توحید باری تعالیٰ کو تسلیم نہ بھی کریں تو کم از کم ان کے دلوں میں اہل توحید کا رعب ودبدبہ ضرور بیٹھ جائے۔

﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۝٣﴾

''اور اپنے رب کی تکبیریں بلند کریں۔''

یعنی آپ کی تکبیر کی صداؤں میں اس قدر جذبہ ایمانی پیدا ہونا چاہیے کہ ان کے کانوں میں اللہ اکبر کی آواز پہنچتے ہی ان کے کفر سے لبریز دماغوں اور دلوں پر لرزہ طاری ہوجائے۔

﴿وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴﴾

''اپنے کپڑوں کو پاک وصاف رکھیں۔''

﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝۵﴾

''اور ناپاکی سے دور ہوجایئے۔''

ان دونوں مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ میں واضح طور پر جبکہ آپ ﷺ دعوت الی اللہ کے ابھی ابتدائی مراحل میں قدم رکھنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک داعی کے اندر پائے جانے والے انتہائی اہم اوصاف کو بیان فرمایا ہے۔

(1) لباس کی صفائی (2) ناپاکی سے اجتناب

نوٹ :...... اکثر مفسرین نے ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ سے بتوں کی پوجا سے اجتناب مرادلیا ہے۔ [1] اور بعض نے اس سے ربّ العالمین کی معصیت اور نافرمانی سے اجتناب بھی مرادلیا ہے۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان دونوں معانی کو بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

((وَعَلٰى كُلِّ تَقْدِيْرٍ فَلَا يَلْزَمُ تَلَبُّسُهُ بِشَيْءٍ مِنْ ذٰلِكَ كَقَوْلِهِ تَعَالٰى ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [الأحزاب: ١] .))

''یعنی ان دونوں میں سے کسی بھی معنی کو مراد لیا جائے، تو اس سے کوئی التباس

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٤٤١۔ نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام از نواب صدیق حسن خان قنوجی، ص: ٣٤٦، طبع نعمانی کتب خانہ، لاهور.

[2] تفسیر ابن کثیر: ٤/٤٤١.

واقع نہیں ہوتا (کیونکہ بتوں کی پوجا بھی تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی ہے۔ جیسے فرمانِ باری تعالیٰ ہے: اے نبی! اللہ تعالیٰ سے ڈریئے، اور کفار و منافقین کی اطاعت نہ کیجیے۔''

مندرجہ بالا توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو دعوتِ دین کے لیے کھڑا کرنے سے پہلے جو آپ کی تربیت فرمائی، وہ دو چیزوں پر مشتمل تھی۔

(1) ظاہری صفائی۔ (2) باطنی صفائی۔

(1) ظاہری صفائی:...... ﴿وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ سے مراد ہر قسم کی ظاہری صفائی مراد ہے۔ اس کا تعلق لباس سے ہو یا جسم سے۔ [1]

(2) باطنی صفائی:...... سے مراد باطنی طور پر عقائد واعمال کی صفائی مراد ہے۔ جس کی وضاحت پیچھے گذر چکی ہے۔ واللہ اعلم۔

مبلغین اور واعظین کے لیے لمحہ فکریہ!

اس موقع پر ہم یہ وضاحت کر دینا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں کہ مبلغین اور واعظین حضرات جو منبر ومحراب کے وارث ہیں، ان کو اس عظیم منصب پر فائز ہونے سے پہلے مندرجہ بالا دونوں اوصاف کا حامل ہونا چاہیے، کیونکہ اگر وہ خود ان صفات کے حامل ہوں گے تو لوگوں کی تربیت بھی درست انداز سے کر سکیں گے، اور اس صورت میں کم از کم ظاہری یا باطنی اعتبار سے ان کی ذات پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکے گا، جس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ان کی شخصیات باکردار بن جائیں گی، جس کا اثر ماحول کی ظلمتوں کے اندر روشنی کی امید بن کر آئے گا۔ اس طرح سے ناممکن بھی اللہ کی توفیق سے ممکن بنتا چلا جائے گا، اور اللہ ربّ العزت مخالفین کے دلوں کے اندر ان کی محبت کو ڈال دے گا۔

---

[1] نیل المرام من تفسیر آیات الاحکام، ص: ٣٤٦ ، طبع مکتبہ نعمانیہ۔ تفسیر ابن کثیر: ٤/ ٤٤١، ملخصاً.

اس کے برعکس اگر ایک واعظ اور مبلغ کے قول وفعل میں تضاد ہوگا، تو اس سے بیگانے تو دور کی بات، اپنے بھی متنفر ہو جائیں گے۔ اگر قوم کو صحیح اسلامی عقیدے کا سبق دینے والے کا اپنا ہی عقیدہ درست نہیں ہوگا، تو وہ دوسروں کے غلط عقائد کی اصلاح کس طرح کر سکے گا؟

2۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف دعوت دینا:

لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دینی چاہیے، اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کی۔ یعنی داعی کی صفت یہ ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دینے والا ہو۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۳۳﴾ (حم السجدہ: ٣٣)

''اور اس آدمی سے زیادہ اچھی بات والا کون ہو سکتا ہے جس نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا، اور عمل صالح کیا، اور کہا کہ میں بے شک مسلمانوں میں سے ہوں۔''

3۔ جن اعمال کی طرف لوگوں کو دعوت دے، ان پر خود عمل کرتا ہو:

داعی الی اللہ کی ایک صفت یہ بھی ہونی چاہیے کہ جن اعمالِ صالحہ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے، ان پر پہلے خود عمل کرتا ہو، اور پورے فخر و اعزاز سے کہہ سکتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ جیسا کہ مذکورہ بالا آیت سے واضح ہے۔

داعی جو کہے اس کے مطابق عمل نہ کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳﴾ (الصف: ٢۔٣)

''اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ہو۔ یہ بات اللہ کو بہت ہی زیادہ ناپسند ہے کہ تم وہ بات کہو جس پر خود عمل نہیں کرتے۔''

4۔حکمت و دانائی کے ساتھ دعوت دینا:

واعظ اور داعی کا یہ وظیفہ ہے کہ وہ حکمت اور دانائی کے ساتھ دین کی دعوت دے، اسی صورت میں دعوت کے صحیح ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ وَ جَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾ ﴾ (النحل: ۱۲۵)

''آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ بلائیے، اور ان کے ساتھ بحث و نقاش میں سب سے عمدہ اسلوب اختیار کیجیے، بے شک آپ کا رب اُن لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے برگشتہ ہو گئے ہیں، اور وہ ہدایت پانے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔''

''اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ مخلوق کو اس کے دین کی طرف حکمت اور دانائی کے ساتھ بلائیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ''حکمت سے مراد قرآن وسنت ہے۔ یعنی دعوت کا طریقہ ان ہی دونوں کی روشنی میں متعین کریں۔ صاحب فتح البیان کہتے ہیں کہ ''حکمت'' سے مراد ایسی صحیح اور صریح بات ہے جو حق کو واضح کر دے اور ہر شک وشبہ کا ازالہ کر دے۔ اور ''موعظہ'' سے مراد ایسی اچھی گفتگو ہے جسے سننے والا پسند کرے اور اس سے فائدہ اُٹھائے۔ لیکن اگر داعی الی اللہ کا واسطہ کبھی سخت اور جھگڑالو مخالف سے پڑ جائے تو اس کے سامنے حق کو بیان کرنے کے لیے مناظرانہ اسلوب اختیار کرے۔ ﴿وَجَادِلۡہُمۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ﴾.... میں اسی طرف اشارہ ہے یعنی نرمی کے ساتھ ایسی مدلل بات کرے کہ اس کا شر دَب جائے، اور حق کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حق کی دعوت کو قبول نہیں کرتا تو پھر پریشان نہ ہوں، اس لیے کہ ہدایت دینا آپ کا کام نہیں ہے۔'' (تیسیر الرحمٰن: ۱/۷۹۲)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے ان کی ذمہ داری یاد دلائی ہے کہ آپ کا کام محض تبلیغ و دعوت ہے، اسے آپ پورا کرتے رہیے، کسی کو ایمان لانے اور راہِ راست اختیار کرنے پر مجبور کرنا آپ کا کام نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَمَآ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ‌ فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ يَّخَافُ وَعِيۡدِ﴾ (ق: ۴۵)

''اور آپ اس بات کے مکلّف نہیں ہیں کہ لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کریں، پس آپ قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو سمجھاتے رہیے جو میرے وعید سے ڈرتے ہیں۔''

﴿فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ﴾ (الغاشیہ: ۲۱، ۲۲)

''پس آپ دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ لوگوں پر داروغہ مقرر نہیں ہیں۔''

5۔ تکالیف اور مصائب میں صبر کرنا:

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں جو تکلیف اور زحمت اُٹھانی پڑے، اس پر صبر کرنا اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا بھی داعی الی اللہ کی صفات میں سے ایک عظیم الشان صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالۡعَصۡرِ ۙ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِىۡ خُسۡرٍ ۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ﴾ (العصر)

''زمانے کی قسم! بے شک انسان گھاٹے میں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کیے، اور ایک دوسرے کو (ایمان اور عمل صالح کی) نصیحت کی، اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔''

مبلغین اور واعظین کے فضائل:

یہ تو تھیں چند گذارشات مبلغین و واعظین کی تربیت کے اعتبار سے۔ اب ہم عالم اور داعی الی اللہ کے چند ایک فضائل قرآن وسنت کی روشنی میں ہدیہ قارئین کرتے ہیں۔

مندرجہ ذیل آیت مبارکہ میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اُس شخص سے بہتر کون ہوسکتا ہے جو لوگوں کو صرف معبودِ برحق کی طرف بلاتا ہے، اور توحید خالص اور قرآن وسنت کی دعوت دیتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

1: ﴿وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۳۳﴾﴾ (حٰمٓ السجدہ: ۳۳)

''اور اس آدمی سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے، جو اللہ کی طرف بلاتا ہے، اور نیک عمل کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بے شک میں مسلمان ہوں۔''

2: جو شخص داعی الی اللہ ہو، وہ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کا مستحق ٹھہرتا ہے:

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا فَبَلَّغَهُ ، فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَحْفَظُ مِنْ سَامِعٍ .)) [1]

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی پھر اس کو دوسروں تک پہنچایا۔ بہت سے لوگ جنھیں حدیث پہنچتی ہے وہ براہِ راست سننے والوں سے بھی زیادہ یاد رکھتے ہیں۔''

3: سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی تو اس کے لیے اتنا ہی ثواب ہے، جتنا کہ اس پر عمل کرنے والوں کا ہے۔ ان میں سے کسی کے اجر میں کمی واقع نہیں

---

[1] سنن ابن ماجه، باب اتباع سنة رسول صلى الله عليه وسلم: ۲۳۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

ہوتی، اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی اس پر اتنا گناہ ہوگا جتنا اس (برائی) پر عمل کرنے والوں کو ہوتا ہے۔ اور ان میں سے کسی کے گناہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔'' [1]

تفقہ فی الدین:

علم حاصل کرنا اور اس کے بعد دین کی سمجھ حاصل کرنا بہت ہی عظیم عمل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾﴾ (التوبة: ۱۲۲)

''مسلمانوں کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں۔ ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے، تا کہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، اور تا کہ یہ لوگ جب اپنی قوم کے پاس آئیں تو انھیں ڈرائیں، تا کہ وہ برے کاموں سے ڈر جائیں۔''

دین کی سمجھ اور فہم وفراست اللہ ربّ العزت کی طرف سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾﴾ (البقرة: ۲۶۹)

''(اللہ تعالیٰ) جسے چاہتا ہے حکمت و دانائی عطا فرما دیتا ہے، اور جسے حکمت عطا کر دی گئی اسے بہت زیادہ بھلائی مل گئی۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے، مگر عقل والے۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب العلم، رقم: ٦٨٠٤.

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((لَيْسَتْ بِالنُّبُوَّةِ ، وَلٰكِنَّهُ الْعِلْمُ ، وَالْفِقْهُ ، وَالْقُرْآنُ .))❶

''یعنی (اس مقام پر) حکمت نبوت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ تحصیل علم، تفقہ فی الدین اور تعلم قرآن کے ساتھ عام ہے۔''

مزید لکھتے ہیں:

((قَالَ مَالِكٌ: وَإِنَّهُ لَيَقَعُ فِي قَلْبِي إِنَّ الْحِكْمَةَ هُوَ الْفِقْهُ فِي دِيْنِ اللّٰهِ ، وَأَمْرٌ يُدْخِلُهُ اللّٰهُ فِي الْقُلُوْبِ مِنْ رَحْمَتِهِ ، وَنَفْسِهِ ، وَمِمَّا يُبَيِّنُ ذٰلِكَ إِنَّكَ تَجِدُ الرَّجُلَ عَاقِلًا فِي أَمْرِ الدُّنْيَا إِذَا نَظَرَ فِيهَا وَتَجِدُ آخَرَ ضَعِيفًا فِي أَمْرِ دُنْيَاهُ ، عَالِمًا بِأَمْرِ دِيْنِهِ ، بَصِيْرٌ بِهِ ، يُؤْتِيهِ اللّٰهُ إِيَّاهُ وَيَحْرِمُهُ هَذَا ، فَالْحِكْمَةُ الْفِقْهُ فِي دِيْنِ اللّٰهِ))❷

''امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛ یہ بات یقینی طور پر میرے دل میں جاگزیں ہوچکی ہے کہ حکمت سے مراد اللہ کے دین کی سمجھ اور ایسا معاملہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے دلوں میں الہام فرما دیتا ہے، اور اس کی مثال جس سے اس کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے یہ ہے کہ آدمی کبھی دنیاوی معاملات میں جب دلچسپی لینے والا ہوتو بڑا عقل مند ثابت ہوتا ہے، لیکن (اس کے مقابلے) میں ایک دوسرا آدمی دنیاوی معاملات میں تو کمزور ہے، لیکن دینی معاملات میں انتہائی علم و بصیرت رکھنے والا ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اسی کو عطا کی ہے۔ جبکہ اوّل الذکر اس سے محروم ہے، پس حکمت سے مراد اللہ کے دین کی سمجھ حاصل کرنا ہے۔''

اسی طرح نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے؛

((مَنْ يُرِدِ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّينِ ، وَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ

---

❶ تفسیر ابن کثیر : ۱/ ۳۲۲.
❷ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۲۲.

يُـعْطِيْ وَلَنْ تَزَالَ هَذِهِ الْأُمَّةُ قَائِمَةً عَلَى أَمْرِ اللَّهِ لا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ .)) [1]

''اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے، اور میں تو محض تقسیم کرنے والا ہوں اور دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ امت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، اور جو شخص ان کی مخالفت کرے گا، انھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (قیامت) آ جائے (اور یہ عالم فنا ہو جائے گا)۔''

علم اور سیّدنا موسیٰ علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں جہاں اوامر و نواہی کا تذکرہ کیا ہے، وہاں سابقہ انبیاء علیہم السلام و امم کے واقعات بھی تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ ان ہی انبیاء علیہم السلام میں سے ایک واقعہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے ''سورۃ الکہف'' میں قدرے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہی واقعہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح الجامع'' کے اندر مکمل تفصیل سے بیان کیا ہے۔ واقعہ کے الفاظ صحیح بخاری میں یوں مرقوم ہیں:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ تَمَارَى هُوَ وَالْحُرُّ بْنُ قَيْسِ بْنِ حِصْنٍ الْفَزَارِيُّ فِيْ صَاحِبِ مُوسٰى : قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: هُوَ خَضِرٌ ، فَمَرَّ بِهِمَا أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ ، فَدَعَاهُ ابْنُ عَبَّاسٍ ، فَقَالَ: إِنِّي تَمَارَيْتُ أَنَا وَصَاحِبِي هَذَا فِيْ صَاحِبِ مُوسَى الَّذِي سَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَى لُقِيِّهِ: هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ ﷺ يَذْكُرُ شَأْنَهُ؟ قَالَ: نَعَمْ ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: بَيْنَمَا مُوسٰى فِي مَلَإٍ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيْلَ ، جَآءَهُ رَجُلٌ ، فَقَالَ: هَلْ تَعْلَمُ أَحَدًا أَعْلَمَ مِنْكَ؟

[1] صحيح بخاري، كتاب العلم، رقم: ٧١.

قَالَ مُوسَى: لَا ، فَأَوْحَى اللَّهُ إِلَى مُوسٰى: بَلَى عَبْدُنَا خَضِرٌ ، فَسَأَلَ مُوسَى السَّبِيلَ إِلَيْهِ ، فَجَعَلَ اللَّهُ لَهُ الْحُوتَ آيَةً وَقِيلَ لَهُ ، إِذَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَارْجِعْ فَإِنَّكَ سَتَلْقَاهُ ، وَكَانَ يَتَّبِعُ أَثَرَ الْحُوتِ فِي الْبَحْرِ ، فَقَالَ لِمُوسَى فَتَاهُ ﴿ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ ۚ وَمَا أَنْسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ﴾ ﴿ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ فَوَجَدَا خَضِرًا فَكَانَ مِنْ شَأْنِهِمَا الَّذِي قَصَّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهِ)) [1]

''سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ان کی حر بن قیس بن حصن فزاری کے ساتھ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں بحث ہوئی۔ ابن عباس نے کہا کہ وہ خصر تھے (اسی اثناء میں) ان کے پاس سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا گذر ہوا تو ابن عباس رضی اللہ عنہما انھیں بلا کر کہنے لگے کہ میں اور میرے یہ رفیق موسیٰ علیہ السلام کے اس ساتھی کے متعلق بحث کر رہے ہیں کہ جس سے انھوں نے ملاقات کا ارادہ کیا تھا۔ کیا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے بارے میں کچھ فرماتے ہوئے سنا ہے؟

سیّدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ایک دن موسیٰ بنی اسرائیل کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک آدمی آیا کہ آپ (دنیا میں) کسی ایسے آدمی کو جانتے ہیں جو آپ سے بڑھ کر عالم ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: نہیں! اس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ ہاں! ہمارا بندہ خضر ہے جس کا علم تم سے زیادہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے دریافت کیا کہ خضر علیہ السلام سے ملنے کی کیا صورت ہے۔ اللہ

---

[1] صحيح بخاري، كتاب العلم، رقم: ٧٤.

تعالیٰ نے ایک مچھلی کو ان سے ملنے کی علامت قرار دیا اور ان سے کہا کہ جہاں یہ مچھلی تم سے گم ہو جائے تو (ادھر کو) لوٹ جاؤ، تب سیّدنا خضر علیہ السلام سے تمہاری ملاقات ہوگی، چنانچہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام (چلے اور) دریا میں مچھلی کی علامت تلاش کرتے رہے، تو اس وقت ان کے ساتھی نے کہا، کہ کیا آپ نے دیکھا تھا جب ہم پتھر سے ٹیک لگا کر آرام کر رہے تھے وہیں میں مچھلی بھول گیا تھا، دراصل شیطان ہی نے مجھے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کروں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اسی مقام کی ہمیں تلاش تھی، تب وہ اپنے نشانات قدم پر (پچھلے پاؤں) باتیں کرتے ہوئے لوٹے (وہاں) انھوں نے خضر علیہ السلام کو پایا۔ پھر ان کا وہی قصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔''

اس روایت سے ہمیں مندرجہ ذیل باتیں بطورِ نصیحت معلوم ہوتی ہیں:

1: انسان کو کبھی بھی اپنے آپ کو بڑا عالم نہیں سمجھنا چاہیے، اگر چہ اس کا مرتبہ کس قدر عالی ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ہر حال میں عاجزی و انکساری کا اظہار کرنا چاہیے۔ کیوں کہ اگر دنیا میں اس سے بڑا عالم نہیں ہے تو اللہ ربّ العزت جو دنیا کے تمام معاملات کو چلا رہا ہے وہ سب سے بڑا عالم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝٧٦﴾ (یوسف: ٧٦)

''اور ہر علم والے سے بڑھ کر علم والی ذات (اللہ تعالیٰ) ہے۔''

2: اگر انسان سے یہ غلطی سرزد ہو جائے، تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

3: علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنا خواہ راستہ کتنا ہی کٹھن اور دشوار گذار ہو۔ واللہ اعلم

علم کے اُٹھ جانے پر فتنوں کا ظاہر ہونا:

جب تک علم رہتا ہے فتنے ظاہر نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ قربِ قیامت جب علم اُٹھ

جائے گا، تو فتنے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ چنانچہ امام سالم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ:

((سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: يُقْبَضُ الْعِلْمُ، وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ، وَالْفِتَنُ، وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ، قِيلَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الْهَرْجُ؟ فَقَالَ هَكَذَا بِيَدِهِ، فَحَرَّفَهَا كَأَنَّه يُرِيدُ الْقَتْلَ.)) [1]

''میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے سنا: آپ نے فرمایا کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ جب) علم اٹھالیا جائے گا، جہالت اور فتنے عام ہو جائیں گے، اور ''ہرج'' بڑھ جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! ''ہرج'' سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ فرمایا: گویا کہ آپ نے اس سے قتل مراد لیا۔''

اس بارے میں سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک قول قارئین کے استفادہ کے لیے تحریر کر دیتے ہیں۔ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا، فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْمَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولَئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، أَبَرَّهَا قُلُوْبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ، وَلِإِقَامَةِ دِيْنِهِ، فَاعْرِفُوْا لَهُمْ فَضْلَهُمْ، وَاتَّبِعُوْهُمْ عَلٰى اٰثْرِهِمْ، وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ أَخْلَاقِهِمْ وَسِيَرِهِمْ فَإِنَّهُمْ كَانُوْا عَلَى الْهُدٰى الْمُسْتَقِيْمِ.)) [2]

''جو شخص (نبی اکرم ﷺ کے علاوہ) کسی اور کا طریقہ کار اختیار کرنا چاہتا ہے، اسے ان لوگوں کا راستہ اختیار کرنا چاہیے جو وفات پا چکے ہیں، کیونکہ زندہ لوگوں

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من اجاب الفتیا، رقم: ۸۵.

[2] مشکوٰۃ المصابیح: ۱/ ۵۴۔ طبع، شرکۃ دار الأرقم بن أبي الأرقم، بیروت.

پر فتنوں سے امان نہیں ہے (ان فوت شدگان سے مراد) نبی اکرم ﷺ کے صحابہ تھے جو اس امت کے افضل ترین، سب سے زیادہ نیک دل، سب سے زیادہ مضبوط علم والے اور سب سے کم تکلف کرنے والے تھے، جنھیں اللہ ربّ العزت نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے، اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لیے چنا تھا، پس تم ان کی فضیلت کو خوب پہچان لو، ان کے آثار (طریقے) کی اتباع کرو اور بقدر استطاعت ان کے اخلاق وسیرت کو اپنا لو، کیونکہ وہ لوگ راہِ ہدایت اور صراطِ مستقیم پر تھے۔''

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول اور گذشتہ روایت دونوں کو ملا کر اگر غور کیا جائے، تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اہل علم کی موجودگی میں فتنوں کا خدشہ کم ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس علماء کرام کی عدم موجودگی میں گمراہی کا زیادہ خطرہ ہوتا ہے جس کے نتیجے میں فتنے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

((إِنَّ اللَّـهَ لَا يَقْبِضُ الْعِلْمَ انْتِزَاعًا يَنْتَزِعُهُ مِنَ النَّاسِ ، وَلٰكِنْ يَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ ، حَتَّى إِذَا لَمْ يَتْرُكْ عَالِمًا ، اتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُهَّالًا ، فَسُئِلُوا فَأَفْتَوْا بِغَيْرِ عِلْمٍ ، فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا)) [1]

'' اللہ ربّ العزت علم کو اس طرح نہیں اٹھائے گا کہ اسے لوگوں (کے سینوں) سے اچک لے، بلکہ علم کو اس طرح اٹھائے گا کہ علماء کرام کو فوت کر دے گا، حتی کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہل لوگوں کو بڑا سمجھیں گے، تو جب ان سے لوگ (کسی دینی معاملے میں) سوال کریں گے، تو وہ لوگ لاعلمی کی حالت میں فتویٰ دیں گے، جس کے نتیجے میں وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔''

---

[1] صحيح مسلم، كتاب العلم، رقم: ٦٧٩٦.

اس روایت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ فتنوں کا ظہور علم کی عدم موجودگی میں ہوگا، جس کے نتیجے میں لوگ دینی مسائل پوچھنے کے لیے ایسے لوگوں کی طرف رجوع کریں گے، جن کو ان مسائل کے بارے میں علم ہی نہیں ہوگا۔ تو وہ لوگ لاعلمی کی وجہ سے ان مسائل کے صحیح جواب دینے کے بجائے اپنی رائے کی روشنی میں جواب دیں گے جو کہ گمراہی کا باعث ہے، جس کے نتیجے میں فتنوں کا ظہور لازم آتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کا ایک اور فرمان عالی شان قارئین کی نظر کررہے ہیں۔

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللّٰهِ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ.)) [1]

''میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رکھو گے، گمراہ نہیں ہوگے (وہ چیزیں) اللہ کی کتاب (قرآنِ مجید) اور اس کے نبی کی سنت (حدیث رسول اللہ ﷺ) ہے۔

اس روایت سے مزید وضاحت ہوجاتی ہے کہ مسلمان جب تک کتاب وسنت کو اپنا عملی جامہ بنائے رکھیں گے، اس وقت تک گمراہ نہیں ہوں گے، لیکن جونہی کتاب وسنت کو چھوڑ کر کسی تیسری چیز کی تلاش میں نکلیں گے، تو گمراہی ان کا مقدر بن جائے گی، جو کہ ابتلاء وفتن کی باعث ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اِتِّبَاعَهٗ
وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بِكَ بَاطِلًا وَارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ

علم اور تدوینِ علم:

ہماری اس کتاب میں علم سے مراد ''قرآن وحدیث'' کا علم ہے۔ چونکہ منکرین حدیث

[1] المؤطا، کتاب القدر، باب النهی عن القول بالقدر، رقم: ۳۔ سلسلة الصحیحة، رقم: ۱۷۶۱۔

کی طرف سے انکارِ حدیث کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ حدیث کی تدوین کا رواج عہد صحابہ میں نہ تھا، جس کی وجہ سے بعد میں آنے والے لوگوں نے ان میں اپنی آراء کو شامل کردیا تھا، لہٰذا ہم ہر اس روایت کا انکار کرتے ہیں جو مفہوم قرآنی کے خلاف ہو۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اس اعتراض کے ابطال میں چند ایک دلائل کو ہدیۂ قارئین کیا جائے، تاکہ لوگ ان کے باطل نظریات اور سطحی افکار سے بچ سکیں۔

جلیل القدر صحابیٔ رسول سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((مَا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَدٌ أَكْثَرَ حَدِيثًا عَنْهُ مِنِّي إِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِاللَّهِ بْنِ عَمْرٍو ، فَإِنَّهُ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا أَكْتُبُ .)) [1]

''نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ مجھ سے زیادہ کوئی بھی حدیث بیان کرنے والا نہیں تھا۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ (حدیث) لکھ لیا کرتے تھے، جبکہ میں لکھا نہیں کرتا تھا۔''

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

منکرین حدیث کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اس روایت سے تو صرف سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے حدیث لکھنے کی وضاحت ہوتی ہے، جبکہ روایت تو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی بیان کرتے ہیں۔

تو اس کا جواب یہ ہے؛ ان کا نام انھوں نے کثرتِ روایت کی بناء پر لیا ہے۔ جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حدیث لکھنے کے شواہد موجود ہیں۔

امام شعبی رحمہ اللہ ابو جحیفہ سے بیان فرماتے ہیں:

((قَالَ: قُلْتُ لِعَلِيٍّ: هَلْ عِنْدَكُمْ كِتَابٌ؟ قَالَ: لَا ، إِلَّا كِتَابُ

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، رقم: ۱۱۳.

اللّٰهِ ، أَوْ فَهْمٌ أُعْطِيَهُ رَجُلٌ مُسْلِمٌ ، أَوْ مَا فِيْ هٰذِهِ الصَّحِيفَةِ ، قَالَ: قُلْتُ: فَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ؟ قَالَ: الْعَقْلُ ، وَفَكَاكُ الْأَسِيْرِ ، وَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ بِكَافِرٍ .)) [1]

''میں نے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا؛ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں، مگر اللہ کی کتاب، قرآن ہے، یا پھر وہ فہم ہے جو ایک مسلمان کو عطا کیا ہوتا ہے۔ یا پھر جو کچھ اس صحیفے میں ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ (اس صحیفے میں) دیت (مقتول کے ورثاء کو قاتل کی طرف سے خون بہا ادا کرنا) اور قیدیوں کی رہائی کا بیان ہے۔ اور یہ حکم کہ مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔''

اس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ عہد صحابہ میں حدیث لکھنے کا رواج موجود تو تھا، البتہ تدوین کا سلسلہ نہیں تھا۔ اس سلسلے میں بین ثبوت یہ بھی ہے؛ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد ہمام بن منبہ رحمہ اللہ کو احادیث لکھوائیں تھیں، جو اللہ کے فضل سے (صحیفہ ہمام بن منبّہ کے نام سے) آج بھی مطبوعہ صورت میں موجود ہے۔ جس کا اُردو ترجمہ اور شرح ''انصار السنۃ پبلی کیشنز'' کی طرف سے مارکیٹ میں آنے والا ہے۔ (ولـلّٰـه المنة وله الثناء الحسن)

خلیفہ وقت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا ابوبکر بن حزم کے نام خط!

صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے کہ؛

((وَكَتَبَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِيزِ إِلَى أَبِي بَكْرِ بْنِ حَزْمٍ: أُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيثِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَاكْتُبْهُ ، فَإِنِّي خِفْتُ دُرُوسَ الْعِلْمِ وَذَهَابَ الْعُلَمَاءِ ، وَلَا تَقْبَلْ إِلَّا حَدِيثَ النَّبِيِّ ﷺ

[1] صحيح بخاری، كتاب العلم، رقم: ۱۱۱.

وَلْيُفْشُوا الْعِلْمَ ، وَلْيَجْلِسُوا حَتَّى يُعَلَّمَ مَنْ لَا يَعْلَمُ ، فَإِنَّ الْعِلْمَ لَا يَهْلِكُ ، حَتَّى يَكُونَ سِرًّا .)) ❶

''خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن حزم کو خط لکھا کہ تمہارے پاس رسولِ اکرم ﷺ کی جتنی بھی حدیثیں ہوں، ان پر نظر (غور وفکر کرو) اور انھیں لکھ لو کیونکہ مجھے علم دین اور علماء دین کے مٹنے کا اندیشہ ہے۔ اور نبی معظم ﷺ کے علاوہ کسی کی حدیث قبول نہ کرو، اور لوگوں کو چاہیے کہ علم پھیلائیں اور (ایک جگہ جمع کریں) بیٹھیں، تاکہ جاہل بھی (علم کے بارے میں) جان لے، اور علم چھپانے ہی سے ضائع ہوتا ہے۔''

حصولِ علم کے لیے چلنا جنت کی طرف لے جاتا ہے:

((عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِنَّ اللّٰـهَ عَزَّوَجَلَّ اَوْحٰى اِلَيَّ اَنَّهُ مَنْ سَلَكَ مَسْلَكًا فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ لَهٗ طَرِيْقَ الْجَنَّةِ ، وَمَنْ سَلَبْتُ كَرِيْمَتَهٖ اَثَبْتُهٗ عَلَيْهِمَا الْجَنَّةَ ، وَفَضْلٌ فِىْ عِلْمٍ خَيْرٌ مِنْ فَضْلٍ فِيْ عِبَادَةٍ وَمِلَاكُ الدِّيْنِ اَلْوَرْعُ .)) ❷

''اُمّ المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسولِ اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے میں چلا، تو میں اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کردوں گا، اور جس کی میں دونوں آنکھیں لے لوں اس کو ان کے بدلے میں جنت عطا کروں گا۔ اور علم میں زیادتی عبادت میں زیادتی سے بہتر ہے، اور

---

❶ صحيح بخارى، كتاب العلم، باب كيف يقبض العلم، باب نمبر: ٣٤.

❷ صحيح: شعب الإيمان، باب في المطاعم والمشارب، رقم: ٥٧٥١.

دین کی جڑ پرہیز گاری ہے۔''

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول رب العالمین، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ، وَاللّٰهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ اَخِيْهِ ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوْتِ اللّٰهِ ، يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ ، وَيَتَدَارَسُوْنَهٗ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ ، وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهٗ ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ .)) [1]

''جو شخص کسی مسلمان سے دنیا کی سختی دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی سختیوں کو دور کرے گا، اور جس نے تنگدست پر آسانی کی، اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمادے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی، اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی مدد میں رہتا ہے جب تک بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی مدد میں رہتا ہے۔ اور جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے میں چلا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادے گا۔ اور جو لوگ بھی جمع ہو کر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتے اور معانی بیان کرتے ہیں، ان پر

[1] صحیح مسلم، كتاب الدعوات، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن ......، رقم : ٦٨٥٣.

(اللہ کی طرف سے) سکینت نازل ہوتی ہے، اور رحمت ان پر ڈھلکتی ہے، اور فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس کا ذکر ان فرشتوں میں کرتا ہے جو اس کے پاس ہیں، اور جس کا عمل تاخیر کرے اس کا نسب جلدی نہیں کرے گا۔ (یعنی اعمال میں سستی کرنے والے کو نسب کی وجہ سے نجات نہیں مل سکے گی۔)''

علم بہترین صدقہ جاریہ ہے:

جب انسان فوت ہوجاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اعمال کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، لیکن فرامین نبوی ﷺ میں بعض ایسے اعمال کا تذکرہ ملتا ہے، جن کے اجر وثواب کا سلسلہ موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ مکرم، سیّدنا الانبیاء والمرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِذَا مَـاتَ الْاِنْسَـانُ اِنْـقَـطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ ، اِلَّا مِنْ ثَلٰثَةٍ: اِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ ، اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ ، اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهُ .))[1]

''جب انسان فوت ہوجاتا ہے، تو تین قسم کے اعمال کے علاوہ باقی تمام اعمال (کے ثواب) کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے۔

(1) صدقہ جاریہ۔

(2) (ورثہ) علم، جس سے بعد میں فائدہ اٹھایا جاتا ہو۔

(3) نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہو۔''

ایک اور روایت میں مزید وضاحت ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ چنانچہ سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

((قَـالَ رَسُـوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِـمَّـا يَـلْـحَـقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهٖ وَحَسَـنَـاتِـهٖ بَـعْـدَ مَـوْتِهٖ، عِلْمًا عَلِمَهٗ وَنَشَرَهٗ، وَوَلَدًا صَالِحًا

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الوصية، رقم: ٤٢٣٣.

تَـرَكَـهُ، أَوْ مُصْحَفًا وَرَّثَهُ، اَوْ مَسْجِدًا اَبْنَاهُ اَوْ بَيْتًا لِاِبْنِ السَّبِيْلِ بَـنَـاهُ، اَوْ نَهْـرًا اَجْـرَاهُ، اَوْ صَدَقَةً اَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِيْ صِحَّتِهِ وَحَيَاتٍ تَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ.)) [1]

''رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: وہ اعمال اور نیکیاں جن کا اجر وثواب مومن آدمی کو اس کی وفات کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، یہ ہیں:

علم، جو اس نے سیکھا اور اس کی نشر واشاعت میں مصروف رہا، نیک اولاد جسے وہ چھوڑ کر گیا، مصحف (کتاب) جو وراثت میں چھوڑ کر گیا، اس کی تعمیر کی ہوئی مسجد، اس کا تعمیر شدہ مسافر خانہ، ایسی نہر جو اس نے کھدوائی ہو اور وہ صدقہ جو اس نے اپنی زندگی میں حالت صحت میں (مرض الموت سے پہلے) اپنے (کمائے ہوئے حلال) مال سے نکالا ہو اس کا ثواب بھی وفات کے بعد ملتا رہے گا۔''

نوٹ :......اس حدیث میں "او مصحفًا ورّثہٗ ...... یا اس کا وراثت میں چھوڑا ہوا مصحف'' سے آخر حدیث تک تمام صورتیں گزشتہ حدیث میں مذکور الفاظ: ''وَمِـــنْ صَـدَقَةٍ جَارِيَةٍ'' کی وضاحت کرتے ہیں۔

ربّ العالمین کا کس قدر عظیم احسان ہے کہ انسان تو اپنی قبر میں جا چکا ہے، لیکن اس کے اعمال نامے میں اجر وثواب مسلسل لکھا جا رہا ہے، اور مزید احسان یہ کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَـنْ سَـنَّ فِـي الْـإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً، فَلَهُ أَجْرُهَا، وَأَجْرُ مَنْ عَـمِـلَ بِهَا بَعْدَهُ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ

[1] سنن ابن ماجة، باب ثواب معلم الناس، رقم: ١٤٢۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔

سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً ، كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ ، مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْتَقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ .)) [1]

'' جو اسلام میں کسی اچھے کام کی بنیاد رکھے گا تو اس کو اس کا اجر اور اس کے بعد عمل کرنے والے کا ثواب بھی ملے گا، اور ان (عمل کرنے والوں) کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح جو کسی برے کام کی بنیاد رکھے گا۔ اس کو اس کا گناہ اور اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ ملتا رہے گا۔ اور اس کے بعد عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔''

اسی طرح ایک اور روایت میں اس کی وضاحت یوں ملتی ہے:

((مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهِ .)) [2]

'' جو بھلائی کی طرف کسی کی رہنمائی کرے گا، اس کو بھی اس (بھلائی کرنے والے) کے برابر ثواب ملے گا۔''

خلاصہ یہ ہے کہ؛

(1) انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال کے اجر و ثواب کا سلسلہ تین چیزوں کے علاوہ منقطع ہو جاتا ہے۔

(2) اس کی وقف شدہ چیز کو استعمال کرنے والے کے برابر اس کو بھی اجر و ثواب ملتا رہتا ہے۔

(3) اس چیز کو استعمال کرنے والے کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ بلکہ اللہ ربّ العزت اس کو یہ اجر و ثواب اپنے خاص فضل و رحمت سے عطا کرتا ہے۔

ان تین چیزوں میں سے ایک علم ہے، جس کو انسان سیکھے پھر اسے پھیلائے، تو جب تک اس کے پھیلائے ہوئے علم سے لوگ مستفید ہوتے رہیں گے، اس کو بھی اس کا برابر ثواب ملتا

---

[1] صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، رقم: ۲۳۵۱.

[2] صحيح مسلم، كتاب الإمارة، رقم: ۱۸۹۳.

رہے گا، حالانکہ وہ آدمی خود تو قبر میں پڑا ہے، لیکن اس کے شاگرد، شاگردوں کے شاگرد اس وراثت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، اس کی تبلیغ میں مصروف ہیں یا اس پر عمل کر رہے ہیں، ان سب کا اجر اس کو برابر ملتا رہے گا۔

غور کیجیے! کس قدر عظیم عمل ہے کہ آدمی عمل تو ایک ہی کرے، لیکن اس کو اجر سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، بلکہ کروڑوں کا مل رہا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے فضائل بے شمار ہیں، ان میں ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ قیامت تک جو بھی نیک اعمال کرتے رہیں گے ان سب عمل کرنے والوں کے برابر ثواب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ملتا رہے گا، جنھوں نے اس علم کی امانت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا اور پھر اس کو آگے امت کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ اشاعت علم دین انتہائی نفع مند سودا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے تو اجر کا حساب ہی نہیں، جنھوں نے دینی مدارس قائم کیے، یا کم از کم ان مدارس میں اپنی جان لگائی، مال خرچ کیا، جن کی نیکیاں انھیں قبر میں قیامت تک برابر ملتی رہیں گی۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ .

علم تزکیۂ نفس کا باعث ہے:

علم حاصل کرنے کے بعد اس کے مطابق اپنی زندگی کو گذارنا نہایت ضروری ہے۔ اگر علم حاصل کر کے اس پر عمل نہ کیا جائے، تو اس علم کا حقیقت میں کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ ایسا علم انسان کی تباہی اور بربادی کا باعث بنتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾﴾ (طٰهٰ: ۱۲۴۔۱۲۷)

''اور جوشخص میری یاد سے روگردانی کرے گا، وہ دنیا میں تنگ حال رہے گا، اور قیامت کے دن اُسے ہم اندھا اُٹھائیں گے، وہ کہے گا، اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اُٹھایا ہے، دنیا میں تو میں خوب دیکھنے والا تھا؟ اللہ کہے گا، اسی طرح تمہارے پاس میری آیتیں آئی تھیں، تو تُو نے انھیں بھلا دیا تھا، اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ اور جو حد سے تجاوز کرتا ہے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتا ہے، اسے ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔''

ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''جو شخص اللہ کے دین سے اعراض کرتا ہے، اور قرآنِ کریم کی تلاوت اور اس پر عمل کرنا ترک کردیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس عمل بد کا یہ بدلہ دیتا ہے کہ ہر چہار جانب سے اسے تنگی گھیر لیتی ہے، اور روزی کی کشادگی کے باوجود اس کا سکون و اطمینان چھین جاتا ہے، اور مرنے کے بعد اس کی قبر بھی اس پر تنگ ہوجاتی ہے، اور اس کی برزخ کی طویل زندگی شقاوت و بدبختی سے عبارت ہوتی ہے، اور قیامت کے دن اسے اندھا اُٹھایا جائے گا، اور جب اپنی اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے سوال کرے گا کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں بنادیا ہے، میں تو دنیا میں اور قبر سے اُٹھنے تک آنکھوں والا تھا؟ تو اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کہ تم دنیا میں اسی طرح آنکھیں رکھنے کے باوجود دل کے اندھے تھے اور ہماری آیتوں کو ٹھکراتے تھے، اسی لیے آج تم جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے اور کوئی تمہارا پرسانِ حال نہ ہوگا۔''

اللہ ربّ العالمین نے نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں سے اس مقصد کو بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ پیغمبر لوگوں کے تزکیۂ نفس کرنے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ چنانچہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲﴾

(الجمعة : ۲)

''وہی ذات ہے، جس نے ان پڑھ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کو پاک کرتا، اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، یقیناً اس سے پہلے وہ واضح گمراہی میں تھے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لفظ (وَیُزَكِّیْهِمْ) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((﴿وَیُزَكِّیْهِمْ﴾ اَیْ یَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ، وَیَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ لِیُزَكُّوْا نُفُوْسَهُمْ ، وَیَتَطَهَّرُوْا مِنَ الدَّنَسِ وَالْخُبُثِ الَّذِيْ كَانُوْا مُتَلَبِّسِیْنَ فِیْ حَالِ شِرْكِهِمْ وَجَاهِلِیَّتِهِمْ .)) [1]

''یعنی ﴿وَیُزَكِّیْهِمْ﴾ کا معنی یہ ہے کہ وہ انھیں نیکی کا حکم کرتا، اور برائی سے روکتا ہے۔ تاکہ وہ اپنا تزکیۂ نفس کرتے ہوئے اس میل کچیل سے پاک ہوجائیں، جس میں زمانۂ شرک وجاہلیت میں ملوث تھے۔'' (انتہیٰ)

علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

((﴿وَیُزَكِّیْهِمْ﴾ ...... اَیْ یَحْمِلُهُمْ عَلٰی مَا یَصِیْرُوْنَ بِهٖ اَزْكِیَاءَ طَاهِرِیْنَ مِنْ خَبَاثَةِ الْعَقَائِدِ وَالْاَعْمَالِ .)) [2]

''یعنی رسول ان کو (ایسے اعمال کی طرف) راغب کرتا ہے، جن سے وہ تزکیۂ نفس کرتے ہوئے بُرے عقائد واعمال سے پاک ہوجائیں۔''

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۴۲۴.

[2] تفسیر روح المعانی: ۹۳/۲۸، طبع بیروت.

ایسے ہی تزکیہ نفس کی تعلیم دینے کے لیے قرآنِ حکیم کے دیگر مقامات پر ارشاد ہے:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝۱۴﴾ (الاعلیٰ: ۱٤)

''یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص، جس نے تزکیہ (نفس) کرلیا۔''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝۹﴾ (الشمس: ۹)

''یقیناً کامیاب ہوا وہ شخص، جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کرلیا۔''

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنیہ اور توضیحات مفسرین سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس علم کا کوئی فائدہ نہیں جب اس کے مطابق اپنی زندگی کو نہ ڈھالا جائے، اور اپنے اعمال کی اصلاح نہ کی جائے۔

باب نمبر:3

اہل علم کی فضیلت

عالم کی عابد پر فضیلت:

اللہ تعالیٰ نے عالم کو انتہائی اعلیٰ وارفع مقام پر فائز کیا ہے۔حتی کہ اس عابد پر بھی جو اپنے لیل ونہار کو اللہ کی عبادت میں گزار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (الزمر : ۹)

"کیا وہ شخص جو ربّ العالمین کی رحمت کی امید کے بل بوتے پر، آخرت سے ڈرتے ہوئے اپنی ساری رات قیام وسجود میں گزار دیتا ہے۔ (اے پیغمبر!) آپ فرما دیں: کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں؟ بے شک نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔"

سیّدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، جن میں سے ایک عالم اور دوسرا عابد تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِيْ عَلٰى اَدْنَاكُمْ .))

"عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے کسی ادنیٰ آدمی پر۔"

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰـهَ وَمَلَآئِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِينَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِي جُحْرِهَا، وَحَتَّى الْحُوتَ، لَيُصَلُّونَ عَلَى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ)) ❶

''بے شک اللہ، اس کے فرشتے اور آسمانوں اور زمینوں میں بسنے والی تمام مخلوقات، حتی کہ چیونٹیاں اپنی بلوں میں، اور مچھلیاں (پانی میں) لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والوں کے لیے رحمت کی دعائیں کرتی ہیں۔''

علماء دین قابل رشک ہیں:

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا ، فَسَلَّطَهُ عَلَى هَلَكَتِهِ فِي الْحَقِّ ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ حِكْمَةً ، فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا .)) ❷

''یعنی دو آدمیوں کے علاوہ اور کسی پر رشک کرنا جائز نہیں۔ (1) پہلا وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے کثرتِ مال سے نواز کر اسے بے تحاشا حق کے کاموں میں خرچ کرنے پر لگادیا۔ (2) دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت (قرآن و سنت کا علم) عطا کیا ہو، جس کے ذریعے وہ فیصلے کرتا ہے، اور پھر دوسروں کو سکھاتا ہے۔''

اہل علم اور سرکشی:

شریعت اسلامیہ نے اہل علم کی بہت ساری صفات کو بیان کیا ہے، وہاں اس بات کو بھی

❶ سنن ترمذی، کتاب العلم، باب ما جآء فی فضل الفقہِ علی العبادة، رقم الحدیث: ۲٦۸۵۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے۔ مشکوٰۃ، رقم: ۲۱۳۔ التعلیق الرغیب: ۱/ ٦۰.

❷ صحیح بخاري، کتاب العلم، رقم: ۷۳۔ صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، رقم: ۱۸۹٦.

بیان کیا کہ عالم ہونے کے باوجود بھی اگر انسان سرکش ہو جائے، تو یہ اللہ کی آیات کا کفر کرنے کے مترادف ہے، ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ بڑا سریع الحساب ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾﴾ (آل عمران: ۱۹)

''بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد اپنی سرکشی اور حسد کی بناء پر ہی آپس میں اختلاف کیا ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی آیتوں کا کفر کرے گا، اللہ جلد ہی اس کا حساب لینے والا ہے۔''

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

((عَنْ عَوْنٍ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ: مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ: صَاحِبُ الْعِلْمِ، وَصَاحِبُ الدُّنْيَا، وَلَا يَسْتَوِيَانِ: أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضًا لِلرَّحْمَانِ، وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَادَى فِي الطُّغْيَانِ ثُمَّ قَرَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ: ﴿كَلَّا إِنَّ الْإِنسَانَ لَيَطْغَىٰ أَن رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ﴾ (العلق: ٦-٧) قَالَ: وَقَالَ الْآخَرُ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ﴾ (فاطر: ٢٨).))[1]

''عون سے روایت ہے کہ سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو حریص ایسے ہیں جو سیراب نہیں ہوتے۔ (1) صاحب علم۔ (2) اور صاحب دنیا۔ لیکن یہ دونوں اپنی حرص میں برابر نہیں ہیں۔ صاحب علم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں زیادہ ہوتا ہے، اور صاحب دنیا سرکشی میں زیادہ ہوتا ہے۔ پھر سیّدنا عبداللہ بن

[1] سنن دارمی: ۱/۱۰۸، رقم: ۳۳۲.

مسعود رضی اللہ عنہما نے یہ آیت پڑھی: تحقیق آدمی سرکشی کرتا ہے، اس لیے کہ اپنے آپ کو بے پرواہ خیال کرتا ہے۔ عون کہتے ہیں کہ آپ نے دوسرے (اہل علم جن کے دل خشیتِ الٰہی سے خالی ہوتے ہیں) کے بارے میں یہ آیت پڑھی:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا﴾

''اللہ کے بندوں میں سے اس سے علماء (ہی) ڈرتے ہیں۔''

اہل علم اور نفسانی خواہشات کی پیروی:

اہل علم اور نفسیانی خواہشات کی اتباع اور پیروی دو متضاد چیزیں ہیں، جس کو اللہ ربّ العزت نے بڑے ہی واضح الفاظ میں قرآنِ حکیم کے اندر بیان کیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾﴾

(البقرة: ١٢٠)

''اے نبی! فرما دیجیے کہ حقیقی ہدایت اللہ ہی کی ہدایت ہے، اور اگر آپ نے اپنے پاس علم آجانے کے باوجود ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے پاس آپ کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔''

قرآن کریم میں شریعت اسلامیہ کے تمام اُصول بیان کر دیے گئے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ اگر آپ قرآن جیسے علوم و معارف کا خزانہ ملنے کے بعد بھی یہود و نصاریٰ کی خواہشات کی پیروی کریں گے تو اللہ کے سوا آپ کا کوئی مددگار نہیں ہوگا اور اس کی گرفت سے آپ کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ﴿٣٧﴾﴾ (الرعد: ٣٧)

''اگر آپ نے علم آ جانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ (کے عذاب) سے نہ آپ کا کوئی حمایتی ملے گا، اور نہ ہی کوئی بچانے والا۔''

حقیقی عالم وہ ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اسی مذکورہ بالا آیت کے تحت سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں:

((قَالَ: الْعَالِمُ بِالرَّحْمَانِ مِنْ عِبَادِهِ، مَنْ لَّمْ يُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَاَحَلَّ حَلَالَهٗ وَحَرَّمَ حَرَامَهٗ، وَحَفِظَ وَصِيَّتَهٗ، وَأَيْقَنَ أَنَّهٗ مُلَاقِيْهِ وَمُحَاسِبٌ بِعَمَلِهٖ.))

''یعنی اللہ کے بندوں میں سے اسے (اللہ کو) صحیح طور پر جاننے والا وہ شخص ہے، جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے، اور اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال سمجھے اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھے۔ اور اس کی وصیت کو یاد رکھے، اس کی ملاقات پر یقین رکھتا ہو اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہو۔''

اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((الْعِلْمُ وَالْحِكْمَةُ نُوْرٌ يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْمَسَائِلِ.)) [1]

''علم اور حکمت کثرتِ مسائل کے فہم کا نام نہیں، بلکہ یہ تو ایک نور ہے، جس کے ذریعے اللہ ربّ العزت جس کی چاہتا ہے رہنمائی کرتا ہے۔''

مثل مشہور ہے:

آخرت اندھیرے ہیں اور اس کا چراغ عمل صالح ہے۔

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[1] جامع بيان العلم وفضله: ۲/ ۲۵.

((لَيْسَ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْحَدِيْثِ وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشْيَةِ)) [1]

"علم بہت زیادہ احادیث کو یاد کر لینے کا نام نہیں، بلکہ علم، کثرتِ خشیت الٰہی کا نام ہے۔"

امام شعبی رحمہ اللہ سے کسی عورت نے سوال کیا کہ مجھے بتایئے، عالم کون ہوتا ہے؟ تو آپ رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا:

((اِنَّمَا الْعَالِمُ مَنْ خَافَ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ .))

"حقیقی عالم تو وہی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف موجود ہے۔"

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا ۗ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ﴾ اَلْخَشْيَةُ بِقَدْرِ مَعْرِفَةِ الْخشِى ، وَالْعَالِمُ يَعْرِفُ اللّٰهَ فَيَخَافُهٗ وَيَرْجُوْهُ ، وَهٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى اَنَّ الْعَالِمَ اَعْلٰى دَرَجَةً مِنَ الْعَابِدِ لِاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ فَبُيِّنَ اَنَّ الْكَرَامَةَ بِقَدْرِ التَّقْوٰى ، وَالتَّقْوٰى بِقَدْرِ الْعِلْمِ ، فَا الْكَرَامَةُ بِقَدْرِ الْعِلْمِ لَا بِقَدْرِ الْعَمَلِ ...... نِعْمَ الْعَالِمُ قَدْحٌ ذَالِكَ فِیْ عِلْمِهٖ .)) [2]

"یعنی کسی کے دل میں کسی کا خوف اسی مقدار میں ہوگا جتنا اس کی قدر و منزلت کو جانتا ہوگا۔ لہٰذا عالم اللہ تعالیٰ کی پہچان کی وجہ سے اس سے ڈرتا ہے اور اس کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے۔ اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ عالم عابد سے بلند درجہ رکھتا ہے۔ کیونکہ دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسیر ابن کثیر: ٥٥٤/٣۔ جامع بیان العلم وفضلہ: ٢٥/٢.

[2] تفسیر کبیر، للرازی: ٢١/٢٦.

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ﴾ (الحجرات : ١٣)

''بے شک تم میں سے اللہ کے ہاں سب سے معزز وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے اللہ کے ہاں عزت وتکریم کی مقدار تقویٰ کے مطابق ہے، اور تقویٰ کی مقدار علم کے مطابق۔

قربِ قیامت علم اٹھ جائے گا، ایسے حالات میں اس کی حفاظت کرنے والے علماء ہی ہوں گے:

سیّدنا عبداللہ بن مسعود اور سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ لَأَيَّامًا يَنْزِلُ فِيهَا الْجَهْلُ وَيُرْفَعُ فِيهَا الْعِلْمُ ، وَيَكْثُرُ فِيهَا الْهَرْجُ ، وَالْهَرْجُ: الْقَتْلُ .)) [1]

''یعنی قیامت سے پہلے کچھ دن ایسے ہوں گے جن میں علم اٹھ جائے گا، اور جہالت عام ہوجائے گی اور کثرت سے (ہرج) ہوگا، یعنی ناحق خون بہایا جائے گا۔''

سیّدنا ابراہیم بن عبدالرحمٰن العذری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((يَحْمِلُ هَذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلْفٍ عُدُوْلُهُ ، يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَافِلِيْنَ ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ ، وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ .)) [2]

''یعنی اس علم کو ہر جماعت سے آئندہ نیک لوگ لیں گے جو اس (علم) سے حد سے بڑھ جانے والوں کا تغیر دور کریں گے، اور اہل باطل کے جھوٹ کا ابطال

---

[1] صحيح بخاری، کتاب الفتن، باب ظهور الفتن، رقم: ٧٠٦٢.

[2] سنن الكبرىٰ، للبيهقی: ١٠/٢٠٩ـ مشكوٰة، رقم: ٢٤٨.

کریں گے، اور جاہلوں کی تاویلات سے اس علم کو پاک کریں گے۔''

سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا.)) [1]

''یقیناً قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ علم اٹھ جائے گا یعنی لوگ دین کا علم بہت کم حاصل کریں گے، بلکہ دنیا میں غرق ہوجائیں گے، اور جہالت عام ہوجائے گی، شراب پی جائے گی، اور سرعام زناکاری اور بدکاری ہوگی۔''

مزید برآں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝﴾ (البقرة: ۲۸۲)

''اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمھیں تعلیم دے رہا ہے، اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں بھی اللہ علیم وقدیر نے تعلیم وتعلّم کے ساتھ ساتھ تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کا بھی حکم فرمایا ہے۔

اہل علم کی غیر اہل علم پر فوقیت:

اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو باعتبار فضائل ومناقب ممتاز مقام عطا فرمایا ہے۔ اپنی اسی سنت کو برقرار رکھتے ہوئے ربّ العالمین کا ارشادِ عالی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، ح: ۸۰

مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

(المجادله: ۱۱)

''اے ایمان والو! جب تمھیں مجلسوں میں کشادہ ہو کر بیٹھنے کو کہا جائے تو (دوسروں کے لیے) جگہ کو کشادہ کردو (اس کے بدلے میں) اللہ تمھیں کشادگی دے گا، اور (اسی طرح) جب تمھیں کھڑا ہونے کو کہا جائے تو کھڑے ہو جاؤ، تم میں سے ایمان والوں اور اہل علم کے درجات کو اللہ بلند فرمادے گا۔''

امام شوکانی رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ مومنوں کو غیر مومنوں پر اہل علم کو غیر اہل علم پر کئی گنا فوقیت دیتا ہے۔ تو جو شخص ایمان اور علم دونوں سے بہرہ ور ہوگا، اسے اللہ تعالیٰ ایمان کی وجہ سے کئی درجات دے گا، اور پھر علم کی وجہ سے بھی کئی درجات کو بلند فرمائے گا۔ [1]

علماء اور توحید:

سیّدنا آدم علیہ السلام سے سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت، دعوتِ توحید تھی۔ اب چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس دعوت کے وارث حقیقی علماء کرام ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

((اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ .)) [2]

''کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔''

لہٰذا اس دعوت کو اس کے حقیقی رنگ میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا علماء کرام کی اہم ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اپنے ''الٰہ'' ہونے کی خود گواہی دی، اور ساتھ اس گواہی میں فرشتوں اور علماءِ کرام کو بھی شامل کرلیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] فتح القدير: ۲/ ۷۹۹.

[2] سنن ابو داؤد، كتاب العلم، رقم: ۳٦٤۱۔ سنن ترمذی، باب ماجآء فی فضل الفقه، رقم: ۲٦۸۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ (آل عمران : ۱۸)

''اللہ، اس کے فرشتے اور اہل علم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں، اور وہ عدل کے ساتھ دنیا کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس غالب اور حکمت والے کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

علماء کرام کی قدر ومنزلت کا اندازہ اس آیت کریمہ سے بطریق احسن لگایا جاسکتا ہے کہ اس گواہی میں اللہ ربّ العزت نے عابدوں، صوفیوں اور دنیا داروں کو شامل نہیں کیا، بلکہ صرف اور صرف علماء کرام کو شامل کیا ہے۔

عبدالرحمٰن بن ناصر السّعدی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''اہل علم کی گواہی اس لیے معتبر ہے کہ تمام دینی امور میں انہی سے رجوع کیا جاتا ہے۔ خصوصاً سب سے عظیم، سب سے زیادہ جلالت وشرف والے مسئلے یعنی توحید کے مسئلہ میں۔ علماء کا اوّل سے آخر تک اس پر اتفاق ہے، انھوں نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے، اور توحید تک پہنچنے کے راستے بتائے ہیں۔ لہٰذا مخلوق پر واجب ہے کہ اتنی عظیم گواہیوں والے حکم کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ سب سے زیادہ شرف والا کام توحید کو جاننا ہے۔ لہٰذا اس کی گواہی اللہ نے خود دی ہے۔ اور اپنی مخلوق میں سے عظیم ترین افراد کو اس کا گواہ بنایا ہے۔ شہادت (گواہی) علم و یقین کی بنیاد ہی پر دی جاسکتی ہے، جو آنکھ سے مشاہدہ کے برابر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص توحید کے معاملہ میں اس مقام تک نہیں پہنچتا، وہ اہل علم میں شامل نہیں۔'' (تفسیر السعدی: ۱/۳٤۹)

ایک اعتراض:

یہاں پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ کیوں نہیں کیا

گیا؟ حالانکہ وہ تو اس کے اوّلین حق دار تھے۔

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ اس علم کو پھیلانے کا اصل منبع اور ذریعہ تو انبیاء کرام علیہم السلام ہی ہیں، لہٰذا جب شاگرد کا تذکرہ کر دیا جائے تو اس میں استاد کا نام خود بخود شامل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں ﴿اُولُوا الْعِلْمِ﴾ سے سب سے پہلی مراد انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، اس کے بعد علماء کرام ہیں۔

یہ ایک جملہ معترضہ تھا جسے افادہ کی خاطر ذکر کر دیا گیا ہے۔ ہم دوبارہ اپنے مضمون کی طرف آتے ہیں، چنانچہ ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾﴾ (محمد: ۱۹)

”(اے نبی!) آپ جان لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگا کریں، اور مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں کے حق میں بھی (بخشش مانگا کریں) اللہ تم لوگوں کی آمد و رفت اور رہنے سہنے کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔“

اہل علم کا احترام ضروری ہے:

اللہ عزوجل کی توحید کی شہادت اور اس بات کی شہادت اور گواہی کہ عدل و انصاف اور اعتدال اس کی صفت ہے۔ ذیل کی آیت کریمہ میں اہل علم کی بھی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اللہ رب العزت نے توحید کی شہادت کی خاطر انھیں خاص کر دیا، ان کی گواہی کو اپنی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ جوڑ دیا، اور اسے توحید کی بہت بڑی دلیل قرار دیا، اور مخلوق کے لیے ان کی شہادت کو قبول کرنا لازم قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿١٨﴾ (آل عمران : ۱۸)

''اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اور فرشتے اور اہل علم گواہی دیتے ہیں، وہ (اپنے احکام میں) عدل پر قائم ہے، اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، جو عزت والا اور حکمت والا ہے۔''

پس علم کی بدولت علماء کا احترام بھی ضروری ہے، چنانچہ سیّدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِى الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيْهِ وَالْجَافِي عَنْهُ ، وَإِكْرَامَ ذِى السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ)) [1]

''بے شک یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حصہ ہے کہ آدمی سفید بالوں والے مسلمان کا احترام کرے، اور قرآن میں غلو نہ کرنے والے، اس سے بے پروائی نہ کرنے والے حافظ قرآن کی عزت کرے، اور عادل بادشاہ کی تکریم کرے۔''

اہل علم باعث برکت ہیں:

اہل علم مرتبہ کے اعتبار سے بڑے ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے اس جہانِ رنگ و بو میں برکت ہے، ان کا احترام کرنا انتہائی ضروری ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلْبَرَكَةُ مَعَ اَكَابِرِكُمْ .)) [2]

''برکت تمہارے بڑوں کے ساتھ ہے۔''

اور دنیا وما فیہا سب ملعون ہیں، سوائے علم اور ذکر الٰہی کے، تو یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ کوئی شخص علم اور اہل علم کا احترام کرے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

[1] سنن ابی داؤد، باب فی تنزیل الناس منازلهم، رقم: ٤٨٤٣۔ صحیح الجامع الصغیر، رقم: ٢١٩٥.

[2] مستدرك حاكم، رقم: ٢١٨۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم: ١٧٧٨.

’’دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ بھی سب ملعون ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے متعلقات کے، اور طالب علم اور اہل علم کے۔‘‘ ❶

علماء اور نصیحت:

خود اچھے کام کرنا، اور دوسروں کو ان کی ترغیب دینا علماء کا فریضۂ منصبی ہے۔ دوسروں کو اچھے کام کی ترغیب دینے کو نصیحت کہتے ہیں۔ سیّدنا نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

(الاعراف: ٦٢)

’’میں تمھیں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے ان امور کی خبر رکھتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔‘‘

اسی طرح سیّدنا ھود علیہ السلام نے اپنی قوم کو وعظ کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی:

﴿أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِيْنٌ ۝﴾ (الاعراف: ٦٨)

’’میں تمھیں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا سچا خیر خواہ ہوں۔‘‘

اسی طرح استفسار پر کسی کو اچھا مشورہ دینا بھی نصیحت (خیر خواہی) ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان کے ذمے حقوق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ......وَإِذَا سْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْهُ)) ❷

’’مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں......جن میں سے ایک حق یہ ہے کہ جب وہ مشورہ طلب کرے، تو خیر خواہی کا مشورہ دے۔‘‘

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے پورے کے پورے دین کو تمام انسانیت کے

---

❶ سنن ابن ماجة، باب مثل الدنيا، رقم: ٤١١٢ ـ سلسلة الأحاديث الصحيحة، رقم: ٢٧٩٧.

❷ صحيح مسلم، باب من حق المسلم للمسلم ردّ السلام، رقم: ٥٦٥١.

لیے نصیحت قرار دیا۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

((اَلـدِّیْـنُ الـنَّـصِیْـحَةُ : قَـالُـوْا لِـمَـنْ یَا رَسُولَ اللّٰہِ؟ قَالَ: لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ .)) ❶

'' دین نصیحت اور خیر خواہی کا نام ہے (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے پوچھا) اللہ کے رسول! دین کن لوگوں کے لیے خیر خواہی ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے لیے، اس کے رسول کے لیے، مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے اور عوام الناس کے لیے۔''

رسولِ اکرم ﷺ کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب بھی کسی نو مسلم آنے والے سے بیعت کرتے تو جہاں اس کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتے، وہاں یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہانہ رویہ رکھنا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں سیّدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں:

((بَـایَعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِیتَاءِ الزَّکَاةِ، وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ .)) ❷

'' کہ میں نے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر ایک مسلمان سے خیر خواہی کرنے کی بنیاد پر نبی علیہ السلام سے بیعت کی۔''

حدیث '' اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ'' کی وضاحت:

اس حدیث کے متعلق امام ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ نے بہت سارے اقوال کو جمع کیا ہے۔ لیکن یہاں پر اختصار کے پیشِ نظر ہم صرف ایک قول کو ھدیہ قارئین کرتے ہیں۔

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ان الدین النصیحة، رقم: ٩٥٥.

❷ صحیح البخاری، کتاب الإیمان، رقم: ٥٧۔ صحیح مسلم، باب بیان ان الدین النصیحة، رقم: ١٩٩.

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((النَّصِيْحَةُ كَلِمَةٌ يُعَبَّرُ بِهَاعَنْ جُمْلَةٍ هِيَ اِرَادَةُ الْخَيْرِ لِلْمَنْصُوْحِ لَهٗ، قَالَ: وَاَصْلُ النُّصْحِ فِي اللُّغَةِ. اَلْخُلُوْصُ يُقَالُ: نَصَحْتُ الْعَسَلَ اِذَا خَلَّصْتُهٗ مِنَ الشَّمْعِ.)) [1]

''یعنی نصیحت ایک ایسا کلمہ ہے جو ایسے جملہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس سے منصوح لہ (جس کو نصیحت کی جارہی ہے) کے لیے خیر اور بھلائی مراد ہو۔ اور لغت میں نصیحت کا معنیٰ ہے: خلوص۔ جیسا کہ عربی میں ''نَصَحْتُ الْعَسَلَ'' (میں نے شہد کو جدا کرلیا) اس وقت کہا جاتا ہے، جب اس کو موم اور چھتے سے بالکل جدا کرلیا جائے۔''

آگے لکھتے ہیں:

1۔ ((فَمَعْنٰى: اَلنَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ سُبْحَانَهٗ: صِحَّةُ الْاِعْتَقَادِ فِيْ وَحْدَانِيَّتِهٖ وَاِخْلَاصُ النِّيَّةِ فِيْ عِبَادَتِهٖ.))

" النصيحة لله " کا معنی یہ ہے کہ اللہ کی توحید کے بارے میں عقیدہ کا درست ہونا، اور اخلاص نیت سے اس کی عبادت کرنا۔

2۔ ((وَالنَّصِيْحَةُ لِكِتَابِهٖ: اَلْاِيْمَانُ بِهٖ وَالْعَمَلُ بِمَا فِيْهِ.))

" النصيحة لكتابه " کا معنی یہ ہے کہ اس (کے منزل من اللہ ہونے) پر ایمان رکھنا، اور اس کے احکام پر عمل پیرا ہونا۔

3۔ ((وَالنَّصِيْحَةُ لِرَسُوْلِهٖ: اَلتَّصْدِيْقُ بِنُبُوَّتِهٖ وَبَذْلُ الطَّاعَةِ لَهٗ فِيْمَا اَمَرَ بِهٖ وَنَهٰى عَنْهُ.))

" النصيحة لرسوله " کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی (صدقِ دل

[1] جامع العلوم والحكم، ص: ۹۸، طبع دار الحديث، القاهرة.

سے) تصدیق کرنا، اور آپ کے اوامر ونواہی کو تسلیم کرنا۔

4۔ ((وَالنَّصِيْحَةُ لِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ: اِرْشَادُهُمْ اِلٰى مَصَالِحِهِمْ)) [1]

" النصيحة لعامة المسلمين " کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اصلاح کی طرف رہنمائی کرنا۔''

نصیحت کیسے کی جائے؟

ہم نصیحت کی اہمیت اور اس کا معنی ومفہوم گزشتہ سطور میں قدرے تفصیل سے بیان کر آئے ہیں، اب ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کسی کو نصیحت کرنے کا انداز کیسا ہونا چاہیے؟

تو اس کا سادہ سا جواب یہی ہے کہ ہر اس مناسب انداز سے نصیحت کی جاسکتی ہے، جو منصوح لہٗ (جس کو نصیحت کی جارہی ہے) کے لیے عار کا باعث نہ ہو۔

افادہ کے لیے ذیل کی سطور میں سنت نبوی ﷺ سے ثابت شدہ کچھ طریقے تحریر کیے جارہے ہیں:

1۔ پہلا طریقہ :...... سب سے پہلا طریقہ جس کی مثال احادیث نبویہ میں کثرت سے موجود ہے، وہ یہ کہ منصوح لہٗ خود نصیحت کا جذبہ اور جستجو لے کر آئے، اور اپنی زبان سے یہ بات کہے کہ مجھے کوئی نصیحت کر دیجیے۔ نصیحت کے اس طریقہ میں بہت ہی وسعت پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اس میں سائل خود نصیحت کا جذبہ اور جستجو لے کر آتا ہے اور ایسے آدمی کو ہر بات وضاحت سے سمجھائی جاسکتی ہے۔

چنانچہ جلیل القدر صحابیٔ رسول، سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا؛

((اَوْصِنِيْ، قَالَ: أُوْصِيْكَ بِتَقْوَى اللّٰهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ كُلِّ شَيْءٍ، وَعَلَيْكَ

[1] جامع العلوم والحكم لابن رجب حنبلی، ص: ۹۸.

بِالْجِهَادِ فَإِنَّهُ رَهْبَانِيَّةُ الْإِسْلَامِ .)) ❶

''کہ اللہ کے رسول! مجھے کوئی نصیحت کیجیے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ تقویٰ ہی ہر چیز کی بنیاد ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، کیونکہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے۔''

2۔ **دوسرا طریقہ:**...... یہ ہے کہ کسی میں کوئی کوتاہی نظر آئے تو اس کوتاہی کے متعلق متنبہ کرنے کے ساتھ ساتھ قابل اصلاح دوسرے امور کو بھی ذکر کر دیا جائے۔

جیسا کہ سیّدنا عمرو بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ ، بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آپ کے ساتھ بیٹھا کھانا کھاتے ہوئے پوری پلیٹ میں اپنے ہاتھ کو گھما رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِيْنِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيْكَ .)) ❷

''اے بچے! اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''

غور کیجیے! اس حدیث میں آپ ﷺ نے کیسے حکمت بھرے انداز سے اس بچے صحابی کو کھانے کے مکمل آداب بھی بتا دیئے، اور اس کی غلطی سے آگاہ کر دیا کہ اسے احساس تک نہیں ہوا۔

3۔ **تیسرا طریقہ:**......نصیحت کا تیسرا طریقہ جو آپ ﷺ کی سنت مطہرہ سے ثابت ہے، یہ ہے کہ کسی ایک کی غلطی کو دیکھ کر تمام لوگوں کو اجتماعی طور پر اس غلطی سے رکنے کی نصیحت کر دی جائے۔

جیسا کہ حدیث سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہے کہ جب انھوں نے بریرۃ کو جس نے اپنے آقا سے مکاتبت کر رکھی تھی۔ آزاد کروانے کا ارادہ کیا، لیکن ولاء (آزاد کردہ غلام کا سامان) کی

---

❶ مسند احمد، رقم: ١١٣٤٩۔ المعجم الصغیر، للطبرانی، ص: ١٩٧۔ سلسلة الاحادیث الصحیحة، رقم: ٥٥٥.

❷ صحيح بخاري، كتاب الأطعمة، رقم: ٥٣٧٦.

شرط لگادی کہ وہ مجھے ملے گا، لیکن بریرہ کے مالک نے ایسا کرنے سے صاف انکار کردیا۔ جب رسولِ اکرم ﷺ کو پتہ چلا، تو آپ ﷺ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے، اور حمد و ثناء کے بعد یوں گویا ہوئے۔

((أَمَّـا بَـعْـدُ! فَـمَا بَالُ اَقْوَامٍ يَشْتَرِطُوْنَ شُرُوْطًا لَيْسَتْ فِيْ كِتَابِ اللَّهِ؟ مَا كَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِى كِتَابِ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ فَهُوَ بَاطِلٌ ، وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَـرْطٍ كِتَـابُ الـلَّهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللَّهِ أَوْثَقُ ...... إِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ .)) [1]

''امابعد! ان لوگوں کی کیا حالت ہے، وہ (اپنے معاملات میں) ایسی شرائط عائد کرتے ہیں، جن کا کتاب اللہ میں سرے سے کوئی ذکر ہی موجود نہیں ہے (یاد رکھو!) ہر وہ شرط جس کا کتاب اللہ میں ذکر نہیں ہے۔ اگرچہ سو شرطیں ہی کیوں نہ ہوں باطل ہیں۔ اللہ کی کتاب برحق ہے، اور اللہ کی شرائط سب سے مضبوط ہیں ...... بے شک ولاء اسی کا حق ہے، جو (غلام کو) آزاد کرے۔''

اس کے علاوہ اور بھی احادیث نبویہ سے ایسے انداز ملتے ہیں۔ جن کے ذریعے دوسروں کو نصیحت کی جاسکتی ہے۔

بہرحال کسی کو نصیحت کرنے کے لیے ہر اس طریقے کو بروئے کار لایا جاسکتا ہے کہ جس میں ''منصوح له'' کی عزت بھی مجروح نہ ہو اور اسے نصیحت بھی کردی جائے۔

[1] صحیح مسلم، باب بیان ان الولاء لمن اعتق، رقم: ۳۷۷۹.

باب نمبر:4

اہل علم، محدثین، ان کی علمی رحلات اور زہد وتقویٰ

امام مالک رحمہ اللہ:

امام مالک رحمہ اللہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم میں احتراماً کبھی سوار نہیں ہوئے۔ ❶

ایک شخص نے پاس آ کر کہا کہ میں چھ ماہ کا سفر طے کر کے آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ صرف اس لیے کہ ہماری قوم نے ایک مسئلہ شرعیہ پوچھنے کے لیے مجھے آپ کی طرف نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے پوچھا کہ مسئلہ کیا ہے؟ جب مسئلہ سامنے رکھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ وہ آدمی حیران ہو کر اپنے پاؤں کو مارنے لگا (یعنی اتنا بڑا عالم اور مسئلہ معلوم نہیں!) کہنے لگا: جناب میں صرف ایک مسئلہ کی خاطر اتنی دُور دراز سے سفر طے کر کے آیا ہوں۔ اب میں ان کو جا کر کیا جواب دوں اور کیا منہ دکھاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ ان سے جا کر صاف کہنا کہ انس کا بیٹا مالک کہتا ہے کہ اس مسئلہ کا جواب مجھے معلوم نہیں۔'' ❷

اور آپ نے کبھی بھی غیر عالم کی مجلس اختیار نہیں کی۔ ❸

آپ حدیث نبوی کا درس دے رہے تھے کہ بچھو نے سترہ مرتبہ کاٹا، مگر ہلے تک نہیں حتیٰ کہ درس ختم ہوا۔ آپ سے یہ ذکر ہوا تو محبت حدیث سے آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ ❹

امام شافعی رحمہ اللہ:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: آپ اس اُمت کے لیے اللہ کی رحمت تھے۔ ❺

---

❶ مقدمة تحفة الأحوذي، ص: ٨٧.
❷ تهذيب الاسماء واللغات: ٧٨/٢.
❸ اسعاف المبطاء، للسيوطي، ص: ٤.
❹ زرقاني شرح المؤطا: ٣/٢.
❺ الجرح والتعديل، لابن ابي حاتم: ٢٠٣/٣، قسم: ٢.

آپ جامع خوف و رجاء تھے۔ ثلث اللیل عبادت میں گزارتے تھے۔ آیت رحمت پر ٹھہر کر اپنے اور اہل ایمان کے لیے دعا کرتے، اور آیت عذاب پر پناہ طلب کرتے تھے۔ [1]

تورّع کا عالم یہ تھا کہ آپ سے کتنا ہی علم لیا جائے، لیکن یہ پسند نہ تھا کہ آپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ [2]

آپ فرماتے تھے کہ مجھ پر ہیبت اسی سے ہوئی ہے جس میں قبول حق کا مادہ ہو، اور میری نظر سے وہی گرا جس نے حق کے آگے تکبر کیا، اور میں ہر اس شخص کا مخالف ہوں، جو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مخالف ہو۔ [3]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

مشہور محدثین میں سے ہیں۔ بقول ابوزرعہ، امام احمد کو دس لاکھ حدیثیں یاد تھیں۔ [4]

جامع اخلاق و آداب ہونے کے ساتھ ساتھ، مخالفین اور ایذا دینے والوں کو معاف کرنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ غور فرمائیں کہ خلیفہ معتصم جس نے آپ کو کافی تکلیفیں دیں، لیکن آپ نے اس کو بھی معاف کر دیا تھا۔ ایک شخص نے آپ سے سخت کلامی کی، پھر پشیمان ہو کر معافی مانگنے آیا، تو آپ نے فرمایا: ''میں نے تو اسی وقت معاف کر دیا تھا۔''

اتباع سنت کا یہ عالم تھا کہ سنن کو زوائد میں تقسیم کیے بغیر ہر فعل نبوی کو سنت جان کر اس پر عمل کرنے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ کو حدیث ملی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جاریہ ''ریحانہ'' نامی تھی، تو آپ نے بھی اپنی بیوی سے اجازت لے کر ایک جاریہ خریدی اور اس کا نام ''ریحانہ'' رکھا۔ ایسے ہی ایک حدیث نظر سے گزری کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگی لگوائی اور لگانے والے ابوطیبہ کو آپ نے ایک دینار معاوضہ دیا۔ تو امام صاحب نے بھی ایسا ہی کیا، اور سینگی لگانے

---

[1] تاريخ بغداد: ٢/ ٦٣.
[2] شذرات الذهب، لابن عماد الحنبلي: ٢/ ١٠.
[3] توالى التأسيس، لابن حجر، ص: ٦٧، ٧٢-٧٣.
[4] تهذيب التهذيب: ١/ ٧٤.

والے کو ایک دینار معاوضہ دیا۔ رات کا اکثر حصہ جاگتے اور اللہ کی عبادت آپ کی عادت تھی اور دیر تک کھڑے رہنا قابل تعجب تھا۔ دنیا کا خیال نہیں کیا۔ ستر برس حالت فقر و فاقہ میں گزار دیئے۔ آپ فرماتے تھے کہ خوفِ الٰہی نے میری تمام تر خواہشات ختم کر ڈالی ہیں، حتیٰ کہ کھانے پینے کی خواہش بھی نہیں ہوتی۔ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ:

امام بخاری رحمہ اللہ طلب حدیث کی خاطر ایک دفعہ بصرہ پہنچے۔ زادِ راہ ختم ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ اپنے جسم کے کپڑے بھی بیچ دیے اور سوال نہ کیا۔ بلکہ تنہا کپڑوں کے بغیر شہر سے باہر ایک مکان میں بیٹھ گئے۔ چند دن غیر حاضر رہنے کی وجہ سے ساتھیوں نے تلاش کیا اور وہاں جا کر پایا۔ ان کا فرمان ہے کہ میں نے جب دنیاوی گفتگو کی تو بھی حمد وثنا سے شروع کی۔ اور فرماتے کہ میں ایک دفعہ اپنے شیخ آدم بن ابی ایاس کے پاس جارہا تھا کہ زادِ راہ ختم ہوگیا۔ یہاں تک کہ کئی دن تک مجھے گھاس اور پتوں پر گزارا کرنا پڑا۔ تیسرے دن کوئی ناواقف شخص مجھے دیناروں کی تھیلی دے گیا، کہ یہ اپنے مصرف میں لائیے۔ [2]

غیبت سے اتنا اجتناب کرتے تھے کہ خود ان کا کہنا ہے کہ ان شاء اللہ روزِ قیامت اس کے بارے میں مجھ سے سوال نہیں ہوگا۔ [3]

امام ترمذی رحمہ اللہ:

آپ اپنے شیخ امام بخاری رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان کی یاد میں رو رو کر نابینا ہو گئے تھے۔ [4]

امام ترمذی ایک استاد کے پاس گئے اور قاعدے کے مطابق امام صاحب وہ تحریر شدہ

[1] مناقب الإمام أحمد، لابن الجوزی.
[2] طبقات الشافعیه الکبری، للسبکی ۲/ ۵، ۱۰، ۱۱.
[3] تاریخ بغداد: ۲/ ۱۳.
[4] تهذیب التهذیب، لإبن حجر: ۹/ ۳۸۹.

احادیث کے اوراق لانا بھول گئے۔ استاد کو جب ان کے پاس تحریر شدہ اوراق نہ ہونے کا علم ہوا تو وہ سخت برہم ہوئے کہ تو نے میری محنت برباد کر دی یعنی احادیث پڑھانا رائیگاں کر دیا۔ امام ترمذی نے عرض کیا کہ آپ ناراض نہ ہوں وہ احادیث مجھے یاد ہوگئی ہیں۔ پھر احادیث من وعن زبانی سنا دیں۔ استاد نے فرمایا شاید وہ احادیث تمہیں پہلے سے ہی یاد ہوں، جس پر امام ترمذی نے عرض کیا کہ وہ احادیث میں نے آپ سے سن کر بعد میں یاد کیں۔ آپ اگر چاہیں تو امتحان کے طور پر دوسری احادیث سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے دوسری احادیث سنائیں، وہ بھی آپ نے من وعن استاد کو بہ وقت سنا دیں۔ [1]

امام محمد بن نصر المروزی رحمہ اللہ:

آپ کی عبادت حیران کن تھی۔ کھڑے ہوجاتے تو گویا کہ لکڑی کا ستون ہے (دورانِ عبادت) بھڑ کاٹنے سے خون بہتا، یا مکھی آ کر کان پر بیٹھتی اور خون بہنے لگتا، مگر اُڑاتے تک نہیں تھے۔ [2]

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ:

آپ کی طرف کسی وزیر نے زرکثیر اور بہت زیادہ مال بطور تحفہ کے بھیجا اور عہدۂ قضا کے لیے پیشکش کی، لیکن آپ نے رقم کو بمع تمہید ٹھکرا دیا۔ ع

ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر پہ زمانہ ہے

ساتھیوں نے بہت سمجھایا کہ اس طرح اقتدار ملنے پر آپ سنت کی زیادہ خدمت کر سکتے ہیں۔ آپ نے سختی سے ڈانٹ کر کہا، میں تو یہ حسن ظن رکھتا تھا کہ آپ مجھے عہدہ قبول کرنے پر ملامت کریں گے، لیکن آپ لوگ مجھے عہدہ لینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ [3]

---

[1] تهذيب التهذيب ، لإبن حجر: ٣٨٨/٩.

[2] طبقات، للسبكي: ٢٢/٢.

[3] طبقات، للسبكي: ١٣٨/٣.

امام بقی بن مخلد رحمہ اللہ :

امام بقی بن مخلد علم حدیث سیکھنے کے لیے قرطبہ (اندلس) سے امام احمد بن حنبل کی خدمت میں اس وقت بغداد پہنچے جب آپ گھر میں نظر بند تھے، اور کسی سے ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ امام صاحب کو اپنا حال پیش کیا لیکن امام موصوف نے معذرت کی، جس پر امام بقی بن مخلد نے کہا کہ میں روزانہ آپ کے دروازے پر سائل بن کر خیرات کے بہانے حاضر ہوا کروں گا اور آپ خیرات دینے کے بہانے مجھے دو یا تین احادیث بتا دیجئے گا۔ اسی طرح جب تک امام موصوف کو آزادی نہ ملی، تب تک بقی بن مخلد سائل بن کر ان کے دروازے پر صدا لگا کر حدیث کا سبق لیتے رہے۔ [1]

الغرض ان لوگوں کا اوڑھنا بچھونا حدیث رسول کی خاطر تھا، اور ہر ممتاز کام میں اسی جماعت کو اہمیت حاصل ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کی کاوشوں کا نتیجہ اور ثمر آج تک ہمارے پاس محفوظ ہے۔ ایسے اشخاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی ہے کہ:

"نَضَّرَ اللّٰهَ اِمْرَاءً سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهٗ كَمَا سَمِعَ ." [2]

''اللہ تعالیٰ تر و تازہ اور خوش و خرم رکھے اس شخص کو کہ جس نے میری حدیث سنی، اور اس کو محفوظ کر کے دوسروں تک امانت داری سے پہنچایا۔''

بقول شیخ العرب والعجم بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ ''موجودہ دور میں ہر طرف سے دین کو مشکل بنا کر قرآن و حدیث پر عمل کی راہیں مسدود کی جارہی ہیں۔ ایسے وقت میں ہمارا فرض ہے کہ ہم استقامت کو اپنا شعار بنائیں اور سلف کا نمونہ بن کر میدان میں آئیں۔ آپس کے اختلافات کو فراموش کر کے اور متحد ہو کر حدیث کی خدمت کو اپنے مفادات پر مقدم جانیں۔

---

[1] مختصر طبقات الحنابلہ، ص: ۸۰۔۸۱.

[2] سنن ترمذی، کتاب العلم، رقم: ۲٦۵۷۔ سنن ابن ماجه، رقم: ۲۳۲۔ مسند أحمد : ۴۳۷/۱۔ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اختلافات کا ہی نتیجہ ہے کہ اپنے مذہب (مسلک) کو بچانے کی خاطر قرآن وحدیث میں بے جا تاویلات کا دروازہ کھل چکا ہے۔ بلکہ ان میں تحریف اور تغییر وتبدیل کی کوشش کی جاتی ہے۔

بزرگان دین نے تعویذات کی مسند سنبھال لی ہے۔ عوام بیچارے نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے، اور مرید بیچارے پیروں کے رحم وکرم پر ہیں اور باقی عوام کے سیاہ وسفید کے مالک علماءسوءرائے وقیاس کے پجاری ہوگئے۔ جس کی وجہ سے انکار حدیث، لادینیت جیسے فتنوں کو موقع مل گیا اور دین میں کئی بدعات جاری ہوئیں۔ اسی طرح بے عملی ان سب کی جڑ ہے، جس کا مقابلہ صرف قرآن وحدیث کے سایہ کے تحت جمع ہونے سے ہی کیا جا سکتا ہے۔'' [1]

[1] خطبات راشدیه، ص: ۹۸-۹۹.

دوسرا حصہ

باب نمبر:1

تقویٰ کی لغوی وشرعی تعریف

تقویٰ کے تفصیلی بیان سے پہلے اس کی لغوی وشرعی تعریف کا بیان کرنا انتہائی ضروری ہے۔

1۔ ''تقویٰ'' کی لُغوی تعریف:

☆ علامہ ابوالحسن علی بن اسماعیل النحوی المعروف بابن سیدہ (المتوفی ۴۵۸ھ) لکھتے ہیں:

((اَصْـلُ الْاِتِّقَآءِ اَلْحَجْزُ بَيْنَ الشَّيْئَيْنِ ، يُقَالُ: اِتَّقَاهُ بِالتُّرَاسِ اَیْ حَبَلَهٗ حَاجِزًا بَيْنَهٗ وَبَيْنَهٗ وَاتَّقَاهُ بِحَقِّهٖ اَيْضًا كَذَالِكَ .)) [1]

''''اتقاء'' اصل میں دو چیزوں کے درمیان پردہ (فاصلہ) کرنے کو کہتے ہیں (تاکہ وہ آپس میں مل نہ سکیں) کہا جاتا ہے کہ اس نے ڈھال کے ساتھ اپنا بچاؤ کیا یعنی اس نے ڈھال کو اپنے درمیان اور حملہ آور کے درمیان کر کے اس نے اپنا حق بچالیا۔ یعنی اس کے درمیان اور اس کے چھیننے کے درمیان اس نے آڑ پیدا کر دی۔''

☆ معروف مفسر اور لغوی امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۰۲ھ) رقم طراز ہیں:

((اَلْوِقَايَةُ حِفْظُ الشَّيْءِ مِمَّا يُؤْذِيْهِ وَيُفَسِّرُهٗ، يُقَالُ: وَقَيْتُ الشَّيْءَ وِقَايَةً وَوِقَاءً ، قَالَ: (فَوَقَاهُمْ ، وَوَقَاهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ، وَمَاهُمْ مِـنَ اللّٰهِ مِنْ وَاقٍ ، مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ ، قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَاَهِلِيْكُمْ نَارًا ، وَالتَّقْوٰى حَبْلُ النَّفْسِ فِيْ وِقَايَةٍ مِمَّا يَخَافُ)) [2]

---

[1] المخصص، لابن سيده: ۱۳/ ۹۳.

[2] مفردات القرآن، للاصفهانی، ص: ۵۵۲، باب الواو مع القاف.

''مضر اور نقصان دہ چیز سے محفوظ ہونے کو (وقایۃ کہتے ہیں)...... اسی طرح خوف زدہ چیز سے اپنے آپ کو حفاظت میں رکھنے کا نام تقویٰ ہے۔''

☆ اور اسی طرح علامہ ابن سیدہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ اصمعی رحمہ اللہ سے متقی کی تعریف ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں:

((رَجُلٌ مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ اَیْ تَقِیٌّ مِنَ الغَشِّ وَالدَّغْلِ .)) [1]

''بغض وعداوت اور کینہ پروری سے صاف دل والے آدمی کو ''متقی'' کہتے ہیں۔''

☆ امام فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ) متقی کی لغوی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((اَلْـمُتَّقِیْ فِیْ اللُّغَةِ اِسْمٌ فَاعِلٌ مِنْ قَوْلِهِمْ وَقَاهُ فَاتَّقٰی وَالْوِقَایَةُ فَرَطُ الصِّیَانَةِ .)) [2]

''لغت میں متقی باب اتقاء (افتعال) سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو انتہائی حفاظت کرنے والے پر بولا جاتا ہے۔''

☆ مندرجہ بالا توضیحات پر غور کریں تو تقویٰ کی یہ جامع تعریف سامنے آتی ہے:

((تَقِیُّ الْقَلْبِ مِنَ الغَشِّ ، وَالدَّغْلِ ، وَجَاعِلُ النَّفْسِ فِیْ وِقَایَةٍ مِمَّا یَخَافُ فَرْطًا .))

''حسد و کینے سے صاف دل والا، خوف زدہ چیزوں سے انتہائی احتیاط سے اپنے آپ کو بچانے والا آدمی ''متقی'' کہلاتا ہے۔''

2۔ تقویٰ کی شرعی تعریف:

☆ علامہ فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ) تقویٰ کی شرعی تعریف نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

---

[1] المخصص، لابن سیده: ۱۳/ ۹٤.

[2] تفسیر الکبیر، للرازی: ۲/ ۲۰.

((قَالَ عَلِيٌّ ابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ: اَلتَّقْویٰ تَرْكُ الْاِصْرَارِ عَلَی الْمَعْصِيَّةِ ، وَتَرْكُ الْاِغْتِرَارِ بِالطَّاعَةِ .

وَقَالَ الْحَسَنُ: اَلتَّقْوٰی اَنْ لَا تَخْتَارَ عَلَی اللّٰهِ سِوَی اللّٰهِ ، وَتَعْلَمَ اَنَّ الْاُمُوْرَ كُلَّهَا بِيَدِ اللّٰهِ .

وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ اَدْهَمَ: اَلتَّقْویٰ اَنْ لَّا يَجِدُ الْخَلْقُ فِیْ لِسَانِكَ عَيْبًا ، وَلَا الْمَلَآئِكَةُ فِيْ اَفْعَالِكَ عَيْبًا ، وَلَا مٰلِكُ الْعَرْشِ فِیْ سِرِّكَ عَيْبًا .

وَقَالَ الْوَاقِدِیُّ: اَلتَّقْویٰ اَنْ تُزَيِّنَ سِرَّكَ لِلْحَقِّ كَمَا زَيَّنْتَ ظَاهِرَكَ لِلْخَلْقِ .

وَيُقَالُ اَنْ لَّا يَدَاكَ مَوْلَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ .

وَيُقَالُ: اَلْمُتَّقِيْ مَنْ سَلَكَ سَبِيْلَ الْمُصْطَفٰی وَنَبَذَ الدُّنْيَا وَرَاءَ الْقِفَا ، وَكَلَّفَ نَفْسَهٗ الاِخْلَاصَ وَالْوَفَا ، وَاجْتَنَبَ الْحَرَامَ وَالْجَفَا))

"(1)......سیّدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اطاعت گزاری کرتے ہوئے دھوکہ بازی کو ترک کرنے اور گناہوں پر اصرار کرنے سے باز آنے کا نام تقویٰ ہے۔

(2)......سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے علاوہ کسی کو فضیلت نہ دی جائے، اور یقین رکھا جائے کہ تمام کے تمام معاملات صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

(3)......ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اس چیز کا نام ہے کہ لوگ تیری زبان پر کوئی عیب نہ پائیں، فرشتے تیرے ظاہر (اعمال ظاہر) میں عیب نہ پائیں اور عرش عظیم کا مالک (اللہ تعالیٰ) تیرے باطن میں کوئی عیب نہ دیکھے۔

(4)......علامہ واقدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تقویٰ یہ ہے کہ اپنے باطن کو حق تعالیٰ

کے سامنے اس طرح خوبصورت کر کے پیش کرو جس طرح اپنے ظاہر کو مخلوق کے سامنے مزین کر کے پیش کرتے ہو۔

(5)...... ایک قول یہ بھی ہے، تقویٰ یہ ہے کہ تیرا مالک تجھے ان چیزوں میں (ملوث) نہ دیکھے جن سے اس نے تجھے منع کیا ہے۔

(6) ...... اور متقی کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے راستے پر چلے، اور دنیا کو اپنی پشت پیچھے ڈال دے، اور اپنے آپ کو اخلاص و وفاداری پر آمادہ و تیار کرے، اور حرام کاری و بداخلاقی سے اجتناب کرے۔

☆ امام ابن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ اپنی معروف تفسیر "المحرر الوجیز المعروف بتفسیر ابن عطیه'' میں (متقین) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((...... (لـلـمتـقين) وَالْمَعْنٰى لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اللّٰهَ تَعَالٰى بِامْتِثَالِ اَوَامِرِهٖ، وَاجْتِنَابِ مَعَاصِيْهِ كَانَ ذَالِكَ وِقَايَةً بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ عَذَابِ اللّٰهِ .)) [1]

''متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو احکام الٰہی کو بجا لاتے، اور اس کی نافرمانیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، تو یہ (تقویٰ) ان کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کے درمیان ڈھال بن جائے گا۔''

☆ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ تقویٰ کی شرعی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((اَلتَّـقْـوٰى فِـيْ تَـعَارُفِ الشَّرْعِ حِفْظُ النَّفْسِ عَمَّا يُؤْثِمُ وَذٰلِكَ بِتَـرْكِ الْـمَـحْظُوْرِ وَيَتِمُّ ذَالِكُ بِتَرْكِ بَعْضِ الْمُبَاحَاتِ لِمَا رُوِىَ اَلْـحَلَالُ بَيِّنٌ، وَالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَمَنْ وَقَعَ حَوْلَ الْحِمٰى فَحَقِيْقٌ اَنْ يَّقَعَ فِيْهِ .)) [2]

---

[1] تفسير ابن عطيه: ١/ ١٤٤.

[2] المفردات في غريب القرآن، ص: ٥٥٢.

''عرف شرعی میں اپنے نفس کو گناہ میں واقع کرنے والے اُمور سے بچانے کا نام تقویٰ ہے، اور یہ منہیات کو (مکمل طور پر) اور بعض (مشکوک) مباحات کو بھی ترک کر دینے سے ممکن ہے، جیسا کہ (نبی اکرم ﷺ کی) حدیث ہے کہ حلال وحرام (کی حدود) واضح ہیں، اور جو کسی چراگاہ کے قریب بھٹکتا ہے، حقیقت میں اس کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔''

☆ معروف مفسر، امام ابو القاسم جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری رحمہ اللہ (المتوفی ۵۳۸ھ) تقویٰ کی شرعی تعریف یوں فرماتے ہیں:

((وَهُوَ فِي الشَّرِيْعَةِ الَّذِيْ يَقِيْ نَفْسَهُ تَعَاطِى مَا يَسْتَحِقُّ بِهِ الْعُقُوْبَةَ مِنْ فِعْلٍ اَوْ تَرْكٍ .)) [1]

''شریعت میں متقی ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو ایسے اُمور سے بچنے میں معروف ہو جائے جن کے کرنے یا نہ کرنے سے سزا لازم آتی ہے۔''

☆ علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ، تقویٰ کا شرعی معنی ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں:

((...... (وَالْمُتَّقِيْنَ) وَشَرْعًا صِيَانَةُ الْمَرْءِ نَفْسَهُ عَمَّا يَضُرُّ فِي الْآخِرَةِ .)) [2]

''شریعت کے مطابق اپنے آپ کو آخرت میں نقصان دہ چیزوں سے محفوظ رکھنے والا متقی کہلاتا ہے۔''

☆ مندرجہ بالا توضیحات پر غور کرنے سے تقویٰ اور اہل تقویٰ کی یہ جامع تعریف سامنے آتی ہے:

''متقی وہ آدمی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے، اور اپنی عاقبت کو مدنظر رکھتے

---

[1] تفسیر الکشاف، للزمخشری : ۱/ ۹۱.

[2] تفسیر روح المعانی، للآلوسی : ۱ / ۱۰۸.

ہوئے ایسے کاموں سے اجتناب کرے، جو اس کی عاقبت میں خلل اور خطرہ کا باعث بننے والے ہیں۔''

3۔مراتب تقویٰ:

ہر چیز کے کچھ درجات ہوتے ہیں، اسی طرح تقویٰ کے بھی کچھ مراتب ہیں۔ چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ تقویٰ کے مراتب یوں بیان فرماتے ہیں:

((وَالْمَرَاتِبُ مُتَعَدَّدَةٌ لِتَعَدُّدِ مَرَاتِبِ الضَّرَرِ:
فَاَوَّلُهَا: اَلتَّوَقِّيَّ عَنِ الشِّرْكِ .
وَالثَّانِيَةُ: اَلتَّجَنُّبُ عَنِ الْكَبَائِرِ ...... وَمِنْهَا الْإِصْرَارُ عَلَى الصَّغَائِرِ
وَالثَّالِثَةُ: مَا اُشِيْرَ اِلَيْهِ بِمَا رَوَاهُ التِّرْمَذِيُّ .
لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذْرًا مِمَّا بِهٖ بَاْسٌ ، وَفِيْ هٰذِهِ الْمَرْتَبَةُ يَعْتَبَرُ تَرْكُ الصَّغَائِرِ .)) [1]

''جیسے تکلیف وضرر کے مختلف مراتب ہیں اسی طرح تقویٰ کے بھی مختلف مراتب ہیں:

(1)...... پہلا مرتبہ شرک سے اجتناب۔

(2)...... دوسرا مرتبہ کبیرہ گناہوں سے کنارہ کشی اور صغیرہ پر اصرار بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔

(3)...... تیسرا مرتبہ وہ ہے جس کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے: ''آدمی اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک حرج والی چیزوں سے بچنے کے لیے ان چیزوں کو ترک نہ کر دے، جن کے کرنے میں حرج نہیں ہے، اور اس مرتبہ میں معتبر ترین چیز صغیرہ گناہوں کو ترک کرنا ہے۔''

---

[1] تفسیر روح المعانی، للعلامة الآلوسی: ۱۰۸/۱.

باب نمبر:2

تقویٰ کی اہمیت

(1) تمام انسانوں کو تقویٰ کا حکم:

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام کی تمام انسانیت کو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (النساء: ۱۳۱)

''اور ہم نے اُن لوگوں کو جنہیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تمہیں بھی وصیت کی تھی کہ اللہ سے ڈرو۔''

مزید برآں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱﴾ (البقرہ: ۲۱)

''اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، اور ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر گئے، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔''

(2) اہل ایمان کو تقویٰ کا حکم:

اور متعدد مقامات پر اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنا چاہیے، اور تمہاری موت آئے تو اسلام پر آئے۔''

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ''حَقَّ تُقَاتِهِ'' کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ،

((أَنْ يُطَاعَ فَلَا يُعْصٰى وَيُذْكَرُ فَلَا يُنْسٰى .)) [1]

''اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے، اس کی نافرمانی نہ کی جائے، اُسے یاد کیا جائے، بھولا نہ جائے۔''

لہٰذا بندۂ مومن ہر وقت ہر حال میں اللہ سے تعلق رکھے، اس کے عقاب سے ڈرتا رہے، اور اس کی عظمت و جلال کا اعتراف اس کے دل و دماغ پر مسلط رہے۔

(3) تمام رسولوں علیہم السلام کو تقویٰ کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو اکل حلال، عمل صالح اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾﴾

(المؤمنون: ۵۱-۵۲)

''اے میرے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو، بے شک میں ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو خوب جاننے والا ہوں۔ اور بے شک یہی تم سب کا دین ہے، جو ایک ہی دین ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، پس تم لوگ مجھ سے ڈرتے رہو۔''

''مفسرین لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ان عیسائی راہبوں کی تردید مقصود ہے جو

---

[1] مستدرك حاكم: ۲/۲۹۳، رقم: ۳۲۱۳۔ حاکم نے اسے ''صحیح علی شرط الشیخین'' کہا ہے۔ معجم كبير، للطبراني، رقم: ۸۵۰۲۔ مجمع الزوائد: ۶/۳۲۶.

اچھی چیزیں کھانا زہد وتقویٰ کے خلاف سمجھتے تھے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام ہی انبیاء کو عمل صالح کا حکم دیا، کیونکہ دنیا و آخرت کی کامیابی اور نیک بختی کا دارومدار نیک کاموں پر ہی ہے۔''[1]

(4) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تقویٰ کا حکم:

تقویٰ کی اس اہمیت کے تحت اللہ تعالیٰ نے جہاں تمام انسانوں، اہل ایمان، انبیاء کرام علیہم السلام کو بارہا تقویٰ کی تلقین کی، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر، سیّدنا محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی تقویٰ کی تاکید فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝﴾ (الأحزاب: ۱)

''اے میرے نبی! آپ اللہ سے ڈریے، اور کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجئے، بے شک اللہ بڑا جاننے والا، بڑا صاحب حکمت ہے۔''

حافظ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اس میں اعلیٰ (سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا ذکر کرکے ادنیٰ (اُمت) کو تنبیہ کی گئی ہے، جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا حکم دے رہا ہے، تو ان سے کم درجہ والوں پر تو اس حکم کی تعمیل بطریق اولیٰ ہوگی۔''[2]

(5) ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو تقویٰ کا حکم:

اللہ تعالیٰ نے اُمہات المومنین کو نصیحت کی کہ وہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتی رہیں، اس کا تقویٰ اختیار کریں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ اتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝﴾

(الاحزاب: ۵۵)

---

[1] تیسیر الرحمن، ص: ۹۷۸۔

[2] تفسیر ابن کثیر، تحت الآیة.

''اور اللہ سے ڈرتی رہیں، بے شک اللہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔''

دوسرے مقام پر فرمایا کہ تم اپنے مقام اعلیٰ کی حفاظت اسی صورت میں کر سکو گی کہ صلاح وتقویٰ کو اپنی زندگی کا شعار بنالو گی۔

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ﴾

(الاحزاب: ۳۲)

''اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو، اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو۔''

انبیائے کرام علیہم السلام کا اپنی امت کو دعوتِ تقویٰ دینے کا اہتمام:

تقویٰ کی مزید اہمیت کو سمجھنے کے لیے گذشتہ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں کے حالات پر طائرانہ نظر ڈالیے:

1۔ سیّدنا نوح علیہ السلام:

اللہ رب العزت نے سیّدنا نوح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، تو آپ نے بعثت کے بعد جو سب سے پہلے دعوت دی اس میں عبادت الٰہی کے بعد سرفہرست تقویٰ تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ نوح علیہ السلام نے قوم سے کہا:

﴿اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۳﴾ (نوح: ۳)

''تم اللہ کی عبادت کرو، اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۰۵ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۰۶ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۰۷ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۰۸﴾

(الشعراء: ۱۰۵تا۱۰۸)

''قوم نوح (علیہ السلام) نے رسولوں کو جھٹلا دیا، جب ان کو ان کے بھائی نوح نے کہا: تم تقویٰ کیوں نہیں اختیار کرتے؟ میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس

تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔"

2۔ سیّدنا ہود علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف رسول بنا کر بھیجا، جنہوں نے اپنی قوم کو سب سے پہلے اللہ کے تقویٰ یعنی اس سے ڈرنے کا حکم دیا۔ قرآن مجید میں آپ کا ارشاد یوں مذکور ہے:

﴿ كَذَّبَتْ عَادُ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝١٢٣ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝١٢٤ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝١٢٥ فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝١٢٦ ﴾

(الشعراء: ۱۲۳تا۱۲۶)

"قوم عاد نے رسولوں کو جھٹلا دیا، جب ان کو ہود (علیہ السلام) نے کہا کہ تم کیوں نہیں ڈرتے؟ بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول ہوں، پس تم اللہ سے ڈر جاؤ اور میری اطاعت کرو۔"

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا ٱللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥٓ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝٦٥ ﴾ (الأعراف: ٦٥)

"اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (نبی بنا کر بھیجا) اس نے کہا کہ اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے۔ تم کیوں نہیں ڈرتے؟"

3۔ سیّدنا صالح علیہ السلام:

قوم ثمود کی طرف اللہ تعالیٰ نے سیّدنا صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا، جنہوں نے اپنی قوم کو یوں دعوت دی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَذَّبَتْ ثَمُودُ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝١٤١ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَٰلِحٌ أَلَا

تَتَّقُوۡنَ ۝۱۴۲ۚ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۝۱۴۳ۙ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۝۱۴۴ۚ﴾
(الشعراء: ۱٤۱تا۱٤٤)

''قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلا دیا، جب ان کے بھائی صالح (علیہ السلام) نے انہیں کہا: تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں ہو؟ میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

4۔ سیّدنا ابراہیم علیہ السلام:

سیّدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ اِبۡرٰہِیۡمَ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ ؕ ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۶﴾ (العنکبوت: ۱٦)

''اور ہم نے ابراہیم کو بھی نبی بنا کر بھیجا، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو، اگر تم کچھ جانتے ہو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔''

5۔ سیّدنا لوط علیہ السلام کا اپنی قوم کو تقویٰ کی دعوت:

سیّدنا لوط علیہ السلام نے ''سدوم'' اور ''عموریہ'' والوں کو ان کے شرک و معاصی کی وجہ سے عذاب سے ڈرایا، اور اپنی اطاعت واتباع کی دعوت دی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ کَذَّبَتۡ قَوۡمُ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلِیۡنَ ۝۱۶۰ۚۖ اِذۡ قَالَ لَہُمۡ اَخُوۡہُمۡ لُوۡطٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۱۶۱ۚ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ۝۱۶۲ۙ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ۝۱۶۳ۚ﴾
(الشعراء: ۱٦۰ تا ۱٦۳)

''قوم لوط نے رسولوں کو جھٹلا دیا۔ جب ان کے بھائی لوط نے انہیں کہا: تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

قومِ لوط کو ان خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع ملی تو۔

﴿قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸﴾ (هود: ۷۸)

''(سیدنا لوط علیہ السلام نے) کہا! اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں، پس تم اللہ سے ڈرو اور مجھے مہمانوں میں رسوا مت کرو، کیا تم میں کوئی آدمی سمجھ دار نہیں ہے۔''

5۔ سیّدنا شعیب علیہ السلام:

اہل مدین کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں ''اصحاب الایکۃ'' کا نام دیا ہے۔ ان کا تذکرہ کرتے ہوئے رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

﴿كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۷۶ ۚۖ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۱۷۷ ۚ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝۱۷۸ ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۱۷۹ ۚ﴾

(الشعراء: ۱۷۶ تا ۱۷۹)

''(اصحاب الایکۃ) یعنی بند والوں نے رسولوں کو جھٹلایا، جب ان کو شعیب (علیہ السلام) نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں بے شک میں تمہاری طرف امانت دار رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، پس تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔''

6۔ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کا سرکش فرعون کو تقویٰ کا حکم:

اللہ رب العزت نے فرعون جو کہ مصر کا ایک ظالم اور سرکش حکمران تھا، جس نے اپنے رب ہونے کا دعویٰ بھی کر رکھا تھا، اور لوگوں کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیتا تھا۔ جب یہ اپنی سرکشی اور عداوت میں حد سے تجاوز کر گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے پیغمبر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کو اس کی طرف نبی بنا کر بھیجا، انھوں نے اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ کو رب العالمین نے قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر بالتفصیل ذکر کیا ہے۔ ذیل میں اُن فرامین

الٰہیہ کا تذکرہ کرنا مقصود ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو تقویٰ کا حکم دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَىٰ ﴿١٥﴾ إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَل لَّكَ إِلَىٰ أَن تَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَأَهْدِيَكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿١٩﴾﴾ (النازعات: ۱۵ تا ۱۹)

''تحقیق آپ کے پاس موسیٰ کی خبر آئی، جب اس کے رب نے اسے مقدس وادی طویٰ میں پکارا تھا کہ آپ فرعون کی طرف جائیے، بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے، پھر اس سے کہیے، کیا تو تزکیہ کرنے کو تیار ہے، اور میں تیرے رب کی طرف تیری رہنمائی کروں، تا کہ تو اُس سے ڈر جائے۔''

﴿اذْهَبَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾﴾ (طٰہٰ: ۴۳، ۴۴)

''تم دونوں (موسیٰ اور ہارون) فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکش ہو چکا ہے، پس تم دونوں اسے نرم بات کہو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے۔''

7۔ سیّدنا الیاس علیہ السلام:

سیّدنا الیاس علیہ السلام، جن کا نام بنی اسرائیل کی کتابوں میں ''ایلیا'' آیا ہے۔ ان کا زمانہ سلیمان علیہ السلام کے بعد کا تھا۔ انہیں اللہ نے شہر بعلبک اور اس کے گردونواح میں رہنے والے بنی اسرائیل کے لیے اس وقت نبی بنا کر بھیجا تھا، جب اُن میں بت پرستی پھیل گئی تھی، لوگ اللہ کے بجائے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور ہر قسم کی نذر و نیاز اور قربانی اُنہی کے نام سے کرتے تھے، اور تورات کے احکام کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

الیاس علیہ السلام نے ان سے کہا کہ تم اللہ سے ڈر جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اِنَّ اِلۡیَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۲۳﴾ؕ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۲۴﴾﴾

(الصافات : ۱۲۳ـ۱۲۴)

''اور بے شک الیاس بھی پیغمبروں سے میں تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے ہو۔''

8۔ سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام:

سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے جب آپ سے آسمان سے نزول دستر خوان کا مطالبہ کیا تو آپ نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذۡ قَالَ الۡحَوَارِیُّوۡنَ یٰعِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ هَلۡ یَسۡتَطِیۡعُ رَبُّكَ اَنۡ یُّنَزِّلَ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۱۲﴾﴾

(المائدہ : ۱۱۲)

''جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب اس پر قادر ہے کہ آسمان سے ہم پر دستر خوان نازل کرے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ۔''

9۔ سیّد الانبیاء جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی لوگوں کو اللہ کے خوف اور تقویٰ کی دعوت دیتے رہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلۡ یٰعِبَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾﴾ (الزمر : ۱۰)

''اے میرے نبی! آپ کہہ دیجیے، اے میرے اہل ایمان بندو! اپنے رب سے

ڈرتے رہو۔ جو لوگ اس دنیا میں اچھے کام کریں گے، اُنہیں آخرت میں اچھا بدلہ ملے گا، اور اللہ کی زمین کشادہ ہے، بے شک (اللہ کی راہ میں) صبر کرنے والوں کو ان کے صبر کا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رضی اللہ عنہ حساب اجر دیا جائے گا۔''

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی مومنوں کو ہر حال میں اپنے رب سے ڈرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اور فرمایا کہ جو لوگ اس دنیا میں عمل صالح کریں گے، اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں جنت دے گا، اور جن پر وطن کی زمین تنگ ہو جائے، اور اللہ کی عبادت کرنی مشکل ہو جائے، انہیں اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین سے ہجرت کر کے ایسی جگہ چلے جانے کا حکم دیا ہے جہاں وہ بآسانی اس کی عبادت کر سکیں، انبیاء و صالحین کی یہی سنت رہی ہے۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت و بندگی بغیر صفت صبر ممکن نہیں، اس لیے آیت کے آخر میں صبر کی فضیلت اور اللہ کے نزدیک اس کے عظیم اجر و ثواب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ ترک قوم و وطن کی اذیت برداشت کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کڑوے گھونٹ برداشت کریں گے، اللہ تعالیٰ انہیں بے حساب اجر و ثواب عطا کرے گا، یعنی جنت دے گا جس کی نعمتیں ان گنت اور کبھی نہ ختم ہونے والی ہوں گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا اپنی احادیث میں بھی اللہ سے ڈرنے کی تاکید کی ہے۔ چند احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرمائیں:

امام ترمذی نے سیّدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، کہ انہوں نے بیان کیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِتَّقِ اللّٰهِ حَيْثُمَا كُنْتَ؟! وَاَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا ، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ .))[1]

---

[1] سنن ترمذی، ابواب البر والصلة، رقم: ۲۰۵۳۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو ''حسن صحیح'' اور علامہ البانی نے اس کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔

''تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو، برائی کے پیچھے نیکی کرو۔ نیکی برائی کو مٹا دے گی، اور لوگوں سے اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔''

ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، آپ حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے:

((اِتَّقُوْا اللّٰہَ رَبَّکُمْ ، وَصَلُّوْا خَمْسَکُمْ ، وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ ، وَاَدُّوا زَکَاۃَ اَمْوَالِکُمْ ، وَاَطِیْعُوْا ذَا اَمْرِکُمْ ، تَدْخُلُوْا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ .))[1]

''تم اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، پانچ نمازیں ادا کرو، مہینے کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ دو، اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرو۔ تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''

سیّدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک عورت کے پاس سے ہوا، جو ایک قبر پر بیٹھی رو رہی تھی، تو آپ نے اس سے فرمایا:

((اِتَّقِیْ اللّٰہَ وَاصْبِرِیْ .))[2]

''اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور صبر کر۔''

پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت اور ہر جگہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے افراد، جماعتوں، مردوں اور عورتوں سب کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم کرتے رہے اور تقویٰ کی دعا کیا کرتے تھے۔

10۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تقویٰ کی دعا کرنا:

((اَللّٰھُمَّ إِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْھُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی .))[3]

---

[1] سنن ترمذی، أبواب السفر، رقم: ٦١٦۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ٨٦٧.

[2] صحيح بخاری، كتاب الجنائز، رقم: ١٢٥٢.

[3] صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء رقم: ٧٢/٢٧٢١.

''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ، پاکدامنی اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔''

((اَللّٰهُمَّ اٰتِ نَفْسِ تَقْوٰهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكَّاهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا .)) ❶

''اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما، اور اسے پاک کردے تو اسے سب سے بہتر پاک کرنے والا ہے۔ تو ہی اس کا نگران اور مددگار ہے۔''

آپ ﷺ سواری پر سوار ہو کر اللہ سے ان الفاظ میں نیکی اور تقویٰ کی توفیق مانگتے تھے۔

((اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِىْ سَفَرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَفِى الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى .)) ❷

''اے اللہ! ہم اپنے سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتے ہیں، اور اس عمل کی توفیق مانگتے ہیں جو تجھے پسند ہے۔''

❶ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، رقم: ۲۷۲۲/۷۳.

❷ صحیح مسلم، کتاب الحج، رقم: ۱۳٤۲/٤۲۵.

باب نمبر 3:

حصولِ تقویٰ کے اسباب و ذرائع

1۔ایمان:

ایمان اور تقویٰ دونوں لازم وملزوم ہیں، پس جس دل میں ایمان ہوگا، تقویٰ ضرور موجود ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے متقین کی علامات میں سے جو سب سے پہلی علامت بیان فرمائی ہے، وہ ایمان ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ﴾ (البقرہ: ۲،۳)

''(یہ قرآن) ہدایت ہے متقین کے لیے، وہ لوگ جو (غیبی امور پر) ایمان رکھتے ہیں۔''

اسی طرح رب کائنات نے قرآن حکیم میں کئی مقامات پر ایمان والوں کو مخاطب کر کے تقویٰ کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۰۲ ﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

''اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور تمہیں موت صرف اور صرف مسلمان ہونے کی حالت میں آنی چاہیے۔''

سورۃ المائدہ میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۸۸ ﴾ (المائدہ: ۸۸)

''اور جو تمہیں اللہ نے حلال، پاکیزہ مال عطا کیا ہے، اسے کھاؤ، اور اس اللہ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔''

ان آیاتِ کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کے حصول کے لیے ایمان کا ہونا ضروری ہے، اگر دل میں اللہ پر ایمان ہی نہ ہو، تو خواہ انسان کتنا ہی رقیق القلب کیوں نہ ہو اس کو متقی اور پرہیز گار نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ ایک آدمی نے اگر تقویٰ کی بنیاد کو حاصل نہیں کیا ہے، تو وہ تقویٰ کو کیوں کر حاصل کر سکتا ہے؟

مزید ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوا وَّأَحْسَنُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٣﴾﴾ (المائدہ: ۹۳)

''ان لوگوں پر جو ایمان لائے، اور نیک اعمال کیے اس چیز میں کوئی گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب وہ تقویٰ اختیار کریں، اور ایمان لائیں، اور نیک اعمال کریں، پھر وہ تقویٰ اختیار کریں، اور ایمان لائیں، پھر تقویٰ اختیار کریں، اور احسان کریں، بے شک اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

جب شراب اور جوئے کی حرمت کے بارے میں اللہ رب العزت نے فیصلہ کن حکم نازل کیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول! ہمارے ان مسلمان بھائیوں کا کیا بنے گا، جو شراب پیتے، اور جوا کھیلتے تھے۔ اور اسی حالت میں ان کو موت آ گئی تھی؟ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ [1]

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مختلف اقوال پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((......(وَالْقَوْلُ الْخَامِسُ) اِنَّ الْمَقْصُوْدَ مِنْ هٰذَا التَّكْوِيْرِ اَلتَّاكِيْدُ،

---

[1] فتح القدیر، للشوکانی: ۱/ ۵۰۰.

وَالْمُبَالَغَةُ فِیْ الْحِثِّ عَلَیْ الْاِیْمَانِ وَالتَّقْوٰی .)) [1]

''پانچواں قول یہ ہے کہ (اس آیت میں) ایمان اور تقویٰ کے تکرار سے بیان تاکید اور مبالغہ مقصود ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور گزشتہ قوموں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ﴾ (المائدہ: ٦٥)

''اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے، اور تقویٰ اختیار کرتے تو یقیناً ہم ان کے گناہوں کو مٹا دیتے، اور یقیناً ہم ان کو نعمتوں والی جنتوں میں داخل کر دیتے۔''

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

(الاعراف: ٩٦)

''اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے، اور تقویٰ اختیار کر لیتے، تو یقیناً ہم ان پر آسمان وزمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلا دیا، تو ہم نے ان کے اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا۔''

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ (الزمر: ١٠)

''آپ کہہ دیجیے، اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو، اپنے رب سے ڈرو،

---

[1] تفسیر الکبیر، للرازی: ١٢/٨٤.

جنھوں نے بھلائی کی، ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے۔ اور اللہ کی زمین وسیع ہے، بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔''

اس آیت کریمہ میں بھی اللہ رب العالمین نے ایمان کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا بھی حکم دیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ :...... مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ سے ذہن میں سوال اُٹھتا ہے کہ کیا جس آدمی کے دل میں تقویٰ نہ ہو، وہ مومن ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا آسان سا جواب یہی ہے کہ اس کے دل میں ایمان موجود ہو اور اگر ایمان کے ساتھ ساتھ رضائے الٰہی والے اعمال کیے جائیں تو اس سے تقویٰ کا حصول ممکن ہے۔ اس کے برعکس اگر اعمال کو ترک کر دیا جائے، تو تقویٰ سے خالی دل آہستہ آہستہ ایمان سے بھی خالی ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((وَالْمُرَادُ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالىٰ اَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنْ يَّضُمُّوْا اِلَى الْاِيْمَانِ التَّـقْـوٰى ، وَهَـذَا مِـنْ اَوَّلِ الـدَّلَائِلِ عَلىٰ اَنَّ الْاِيْمَانَ يَبْقٰى مَعَ الْمَعْصِيَةِ .)) [1]

''مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ایمان کے ساتھ تقویٰ کو بھی شامل کرنے کا حکم دے رہا ہے، اور معصیت کے ساتھ ایمان کے بقاء کے اوّل دلائل میں سے ایک ہے۔''

ویسے تو قرآن حکیم میں ایمان کے ساتھ لزوم تقویٰ کے اور دلائل بھی موجود ہیں، لیکن ہم خوفِ طوالت کے پیش نظر صرف ان ہی دلائل پر اکتفاء کرتے ہیں۔

2۔ نماز:

کلمہ توحید کے بعد اسلام کا بنیادی رُکن نماز ہے، جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

[1] التفسير الكبير، للرازي: ٢٦/ ٢٥٢.

کا ارشادِ عالی ہے:

((اَوَّلُ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَلَاتُهُ .)) [1]

''قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔''

ہمارے اس عنوان کے پیش نظر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اقامت الصلوٰۃ کے ساتھ تقویٰ کا بھی حکم موجود ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز، تقویٰ اور پرہیزگاری کا ذریعہ ہے۔ ان میں سے چند ایک مقامات کو ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

متقین کی علامات میں سے ایک علامت نماز بھی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ﴾

(البقرہ: ۲، ۳)

''اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے، اس میں متقین کے لیے ہدایت ہے۔ (متقین وہ لوگ ہیں) جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو ہم نے ان کو رزق دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔''

ایک مقام پر رب العالمین نے اسلام لانے کے حکم کے بعد نماز کے ذریعے تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ ﴾

(الأنعام: ۷۱، ۷۲)

''آپ فرما دیجیے! بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم تمام جہانوں کے پالنے والے کے مطیع و فرماں بردار بن جائیں،

---

[1] سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب المحاسبة علی الصلاۃ، رقم: ٤٦٧ ۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

اور یہ کہ نماز قائم کرو، اور اس کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور وہی ذات ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں امام رازی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

((...... ﴿وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ وَاعْلَمْ اَنَّ قَوْلَهُ ﴿اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ دَخَلَ فِيْهِ جَمِيْعُ اَقْسَامِ الْمَامُوْرَاتِ، وَالْاِحْتِرَازُ عَنْ كُلِّ الْمَنْهِيَاتِ، وَتَقْرِيْرُ الْكَلَامِ اَنَّ كُلَّ مَا تَعَلَّقَ اَمْرُ اللّٰهِ بِهٖ فَاِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ بَابِ الْاَفْعَالِ وَاِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ بَابِ التُّرُوْكِ .)) [1]

''یاد رکھو کہ آیت ﴿اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى﴾ میں احکام کی تمام اقسام اور منہیات سے احتراز شامل ہے، اور سیاق کلام بھی جن احکام الٰہی پر مشتمل ہے یا تو ان کا تعلق افعال (احکامِ الٰہی) سے ہے، اور یا وہ منہیات سے متعلقہ ہیں۔''

ان آیاتِ کریمہ کا سیاق وسباق دو ہی چیزوں پر مشتمل ہے، یا تو وہ اوامر سے متعلقہ ہیں اور یا نواہی کے تو اس میں اوامر کو قدرے تفصیل اور نواہی کو بالاجمال ذکر کیا گیا ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ اس تفصیل واجمال کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں:

((أَمَّا الْقِسْمُ الْاَوَّلُ :...... فَاِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ بَابِ اَعْمَالِ الْقُلُوْبِ وَاِمَّا اَنْ يَّكُوْنَ مِنْ بَابِ اَفْعَالِ الْجَوَارِحِ، وَرَئِيْسُ اَعْمَالِ الْقُلُوْبِ الْاِيْمَانُ بِاللّٰهِ وَالْاِسْلَامُ لَهُ، وَرَئِيْسُ اَعْمَالِ الْجَوَارِحِ اَلصَّلٰوةُ، وَاَمَّا الَّذِيْ يَكُوْنُ مِنْ بَابِ التُّرُوْكِ فَهُوَ التَّقْوٰى وَهُوَ عِبَارَةٌ عَنِ الْاِتِّقَاءِ عَنْ كُلِّ مَا لَا يَنْبَغِيْ، وَاللّٰهُ سُبْحَانَهُ لِمَا بَيَّنَ اَوَّلًا: اَنَّ الْهُدَى النَّافِعَ هُوَ هُدَى اللّٰهِ ذٰلِكَ الْكَلَامَ الْكُلِّيَّ بِذِكْرِ

[1] تفسير الكبير، للرازي: ۱۳/۳۰.

اَشْـرَفِ اَقْسَـامِـهِ عَـلَـى التَّرْتِيْبِ وَهُوَ الْإِسْلَامُ الَّذِيْ هُوَ رَئِيْسُ الـطَّـاعَـاتِ الـرُّوْحَـانِيَّةِ ، وَالـصَّلَاةُ الَّتِى هِيَ رَئِيْسُ الطَّاعَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ ، وَالتَّقْوٰى الَّتِىْ هِىَ رَئِيْسَةٌ لِبَابِ التُّرُوْكِ وَالْاِحْتِرَازِ عَـنْ كُـلِّ مَا لَا يَنْبَغِىْ ثُمَّ بَيَّنَ مَنَافِعَ هَذِهِ الْاَعْمَالِ فَقَالَ: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اِنَّ مُنَافِعَ هَذَا الْاَعْمَالِ اِنَّمَا تَظْهَرُ فِيْ يَوْمِ الْحَشْرِ وَالبَعْثِ وَالْقِيَامَةِ ....))

’’پہلی قسم یعنی جو افعال و اعمال سے متعلقہ ہے اس کا تعلق یا تو اعمال دل سے ہوتا ہے، یا افعالِ جوارح (بدنی اعمال) سے۔تو اعمال دل میں سے سب سے عظیم عمل اللہ پر ایمان لانا، اور اسلام قبول کرنا ہے۔ اسی طرح افعالِ جوارح (بدنی عبادات) میں سے سب سے عظیم ترین عمل نماز ہے۔اور وہ قسم جو منہیات سے متعلقہ ہے، وہ تقویٰ ہے، جو ہر نا مناسب چیز سے بچنے کا نام ہے۔تو یہاں پر پہلے اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا کہ جو نفع مند ہدایت ہے، وہ اللہ کی ہی ہدایت ہے،تو اس کے بعد کلی طور پر اسکی افضل ترین اقسام کو بھی بالترتیب بیان کر دیا، اور وہ اسلام، جو کہ روحانی عبادت میں چوٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ نماز ہے جو بالترتیب جسمانی عبادات میں چوٹی کی حیثیت رکھتی ہے، اور تقویٰ جو تمام منہیات کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر ان اعمال کے فوائد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَالَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ یعنی اس کے فوائد قیامت کے دن سامنے آئیں گے۔‘‘

اور سورۃ الروم میں ارشاد فرمایا:

﴿مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَاتَّقُوْهُ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱﴾

(الروم: ۳۱)

''اس (اللہ) کی طرف رجوع کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو، اور نماز قائم کرو، اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔''

اس آیت کریمہ میں عقیدۂ توحید، اور نماز کو حصولِ تقویٰ کا ذریعہ بتلایا گیا ہے۔

﴿اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ مَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝۱۸﴾ (فاطر: ۱۸)

''بس آپ کا ڈرانا، ان لوگوں کے لیے (فائدہ مند) ہے جو بغیر دیکھے اپنے رب سے ڈرتے، اور نماز قائم کرتے ہیں۔ اور جس شخص نے تزکیۂ نفس کیا اسنے اپنے ہی لیے تزکیہ کیا، اور اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔''

3۔ روزہ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں روزے کی فرضیت کے احکام صادر فرما کر اس کا مقصود تقویٰ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۸۳﴾ (البقرہ: ۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کر دیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ روزہ اور تقویٰ کا چولی دامن کا تعلق ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((فَفِيْهِ وُجُوْهٌ اَحَدُهَا: اَنَّهُ سُبْحَانَهُ بَيَّنَ بِهٰذَا الْكَلَامِ اَنَّ الصَّوْمَ يُوَرِّثُ التَّقْوٰى لِمَا فِيْهِ مِنْ اِنْكِسَارِ الشَّهْوَةِ، وَانْقِمَاعِ الهَوٰى فَاِنَّهُ يَرْدَعُ عَنِ الْاَشَرِّ، وَالْبَطَرِ وَالْفَوَاحِشِ يَهُوْنُ لَذَّاتِ الدُّنْيَا وَرَيَاسَتَهَا، وَذٰلِكَ لِاَنَّ الصَّوْمَ لِكَسِيْرِ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرَجِ

وَاِنَّمَا يَسْعَى النَّاسُ لِهٰذَيْنِ ، كَمَا قِيْلَ فِي الْمَثَلِ السَّائِرِ: اَلْمَرْءُ يَسْعٰى لِغَارِيَةِ بَطْنِهِ وَمِزْجِهِ.

فَمِنْ اَكْثَرَ الصَّوْمِ هَانَ عَلَيْهِ اَمِيْرُ هٰذَيْنِ وَخَفَّتْ عَلَيْهِ مَؤَنَّتُهُمَا فَكَانَ ذٰلِكَ رَادِعًا مَالَهُ عَنْ اِرْتِكَابِ الْمَحَارِمِ وَالْفَوَاحِشِ، وَمُهَوِّنًا عَلَيْهِ اَمْرُ الرِّيَّاسَةِ فِي الدُّنْيَا وَذٰلِكَ جَامِعٌ لِاَسْبَابِ التَّقْوٰى فَيَكُوْنُ مَعْنَى الْاٰيَةِ فُرِضَتْ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ لِتَكُوْنُوْا بِهِ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ اَثْنَيْتُ عَلَيْهِمْ فِيْ كِتَابِيْ وَاَعْلَمْتُ اَنَّ هٰذَا الْكِتَابَ هُدًى لَّهُمْ وَلَمَّا اخْتَصَّ بِهٰذِهِ الْخَاصِيَّةِ حَسَنٌ مِنْهُ تَعَالٰى: اَنْ يَّقُوْلَ عِنْدَ اِيْجَابِهَا ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ مِنْهَا بِذٰلِكَ عَلٰى وَجْهِ وُجُوْبِهِ لِاَنَّ مَا يَمْنَعُ النَّفْسَ عَنِ الْمَعَاصِيْ لَا بُدَّ اَنْ يَّكُوْنَ وَاجِبًا.

وَثَانِيْهَا: اَلْمَعْنٰى يَنْبَغِيْ لَكُمْ بِالصَّوْمِ اَنْ يَّقْوٰى وَجَآءَ كُمْ فِى التَّقْوٰى وَهٰذَا مَعْنٰى (لَعَلَّ)

وَثَالِثُهَا: اَلْمَعْنٰى يَنْبَغِيْ لَكُمْ بِالصَّوْمِ ....

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اللّٰهَ بِصَوْمِكُمْ وَتَرَكِكُمْ لِلشَّهَوَاتِ، فَاِنَّ الشَّيْءَ كُلَّمَا كَانَتِ الرَّغْبَةُ فِيْهِ اَكْثَرَ كَانَ الْاِتِّقَاءُ وَالرَّغْبَةُ فِى الْمَطْعُوْمِ وَالْمَنْكُوْحِ اَشَدُّ مِنَ الرَّغْبَةِ فِىْ سَائِرِ الْاَشْيَاءِ فَاِذَا سَهَلَ عَلَيْكُمْ اِتِّقَاءُ اللّٰهِ بِتَرْكِ الْمَطْعُوْمِ وَالْمَنْكُوْحِ كَانَ اِتِّقَاءُ اللّٰهِ بِتَرْكِ سَائِرِ الْاَشْيَاءِ، اَسْهَلَ وَاَخَفَّ.

وَخَامِسُهَا: لَعَلَّكُمْ تَنْتَظِمُوْنَ بِسَبَبِ هٰذِهِ الْعِبَادَةِ فِيْ زُمْرَةِ الْمُتَّقِيْنَ لِاَنَّ الصَّوْمَ شِعَارُهُمْ.)) [1]

---

[1] تفسیر الکبیر، للرازی: ۵/ ۷۰.

''آیت کے آخر میں ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ لانے کی کئی ایک وجوہات سمجھ آتی ہیں:

(1)...... پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت اس کلام سے واضح کرنا چاہتا ہے کہ روزہ تقوے کا متضمن اور خواہشات کو ختم کرنے والا ہے، کیونکہ وہ برائیوں سے روکتا، اور تکبر، فحاشی سے دُور رکھنے والا، اور دنیاوی لذتوں وخواہشات سے بے رغبت کرنے والا ہے، اور یہ اس لیے ممکن ہے، کیوں کہ روزہ پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کو پارہ پارہ کرنے والا ہے، اور یہی وہ دو چیزیں ہیں، جن کے حصول کی انسان بھر پور کوشش کرتا ہے۔

پس جو انسان روزے کثرت سے رکھے گا اس پر ان دونوں کے حصول کی حسرت کمزور پڑ جائے گی جس سے ان دونوں چیزوں کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ تو گویا کہ روزہ اس کو حرام کاریوں اور فحش گوئیوں کے ارتکاب سے روکنے، اور دنیاوی ریاست و سیادت کی خواہش کو کمزور کرنے والا ہے۔۔ گویا کہ (روزہ) اسباب تقویٰ کا مجموعہ ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا (کہ میں نے تم پر روزے فرض اس لیے کیے ہیں، تا کہ ان کے ذریعے تم ایسے متقی بن سکو، جن کی میں نے اپنی کتاب میں ثناء و مدح کی ہے، اور واضح کر دیا ہے کہ یہ کتاب صرف ان کے لیے ہی ہدایت کا باعث ہے۔ جب روزے اور تقویٰ کا یہ تعلق معلوم ہو جائے، تو اس کی فرضیت کے حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا بھی بجا ہوا (تا کہ تم متقی بن جاؤ)، کیوں کہ جو چیز نفس کو گناہوں سے روکتی ہے، اس کا واجب ہونا بھی ضروری ہے۔

(2)...... اس عبادت کے فرض کرنے کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ تم تقویٰ میں سخت جان ہو جاؤ، اور (لَعَلَّ) کا یہی مفہوم ہے۔

(3)......اس عبارت کا تیسرا مفہوم یہ ہے کہ تا کہ تم روزہ رکھ کر اور شہوات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ کبھی کبھی کسی چیز سے کثرت رغبت کی وجہ سے بچنا مشکل ہوتا ہے، اور باقی تمام اشیاء کی نسبت کھانے، پینے اور جماع کرنے میں رغبت کثرت سے پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب ان چیزوں کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا آسان ہو جائے گا، تو باقی تمام کی تمام چیزوں کو ترک کرنا اور زیادہ آسان سے آسان تر ہو جائے گا......

ان الفاظ کے استعمال کی پانچویں حکمت یہ ہے کہ تم اس عبادت کے ذریعے متقین کے زمرے میں شامل ہو جاؤ، کیونکہ روزہ ان کا شعار اور علامت ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)''

اس ساری کی ساری گفتگو کا خلاصہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان میں موجود ہے ۔ چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَـنْ لَـمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ ، فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ .)) [1]

''جو آدمی جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا ترک نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا ترک کرنے کوئی ضرورت نہیں ہے۔''

تـوجۂ طلب بات :......قارئین کرام! روزے کے اسرار ورموز اور اس کے فوائد و ثمرات پر غور فرمائیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کا حکم مان کر حرام چیزیں تو دُور کی بات حلال چیزوں سے بھی رُک جاتا ہے۔ مثلاً عام حالات میں (حلال چیزوں) کا کھانا پینا جائز تھا، لیکن ایک خاص وقت سے لے کر خاص وقت تک ان حلال چیزوں سے بھی اجتناب کا پابند ہو گیا، گویا کہ انسان کو یہ درس اور سبق دیا جارہا ہے کہ اے انسان! جس طرح تو نے اللہ کا حکم تسلیم کرتے

[1] صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من لم یدع قول الزور والعمل به، رقم : ۱۹۰۳.

ہوئے حلال چیزوں کو ترک کر دیا ہے، اس سے کہیں بڑھ کر حرام چیزوں سے اجتناب کرنا شروع کر دے۔ اور یہی تقویٰ کی انتہا ہے۔ اور مذکورہ حدیث نبوی ﷺ سے بھی ہمیں یہی درس ملتا ہے۔

4۔صدقہ، خیرات اور زکوٰۃ:

گذشتہ صفحات میں یہ بات گذر چکی ہے کہ اللہ رب العزت نے تمام کی تمام عبادات کو تقویٰ اور خوفِ الٰہی کا پیش خیمہ قرار دیا ہے، اور اگر ان عبادات کو کرتے وقت دل میں تقویٰ اور خوفِ الٰہی نہ ہو، تو ان عبادات کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱعْبُدُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ وَٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾ (البقرہ: ۲۱)

''اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں، اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، تا کہ تم متقی اور پرہیز گار بن جاؤ۔''

اگر تقویٰ کا حصول چاہتے ہو، تو اللہ کی عبادت کرو، اسی طرح اللہ کی عبادت کا مقصد بھی حصول تقویٰ ہی ہونا چاہیے، اس کے علاوہ کوئی اور غرض و غایت نہیں ہونی چاہیے۔

اب ہم اپنی بات کو آگے چلانے کے لیے اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔

قارئین کرام! انفاق فی سبیل اللہ، زکوٰۃ کا دوسرا نام ہے، اور ان دونوں میں عموم و خصوص ہے۔ یعنی انفاق فی سبیل اللہ میں عموم ہے، اور اس سے مراد ہر وہ مال ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ اور زکوٰۃ خاص لفظ ہے جس سے مراد شرعی طور پر وہ مقررہ مال ہے جس کا صاحب نصاب پر اللہ کی راہ میں خرچ کرنا فرض اور ضروری ہے۔ جس کا مقصد بھی دلوں میں اللہ کا تقویٰ، خشیت الٰہی اور اللہ کا خوف پیدا کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ مَا ٱسْتَطَعْتُمْ وَٱسْمَعُوا۟ وَأَطِيعُوا۟ وَأَنفِقُوا۟ خَيْرًا لِّأَنفُسِكُمْ ۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿١٦﴾﴾ (التغابن: ۱٦)

''پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، اور سنتے رہو، اور اطاعت کرتے رہو، اور (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہو، اور وہ تمہارے لیے بہتر ہے اور جو شخص اپنے نفس کی کنجوسی سے بچالیا گیا، پس وہی شخص کامیاب ہے۔''

اس آیت کریمہ میں خوفِ الٰہی کا حکم دینے کے بعد تین چیزوں کا حکم فرمایا ہے:

۱۔ سمع۔

۲۔ اطاعت۔

۳۔ اور انفاق فی سبیل اللہ۔

اوّل الذکر دو چیزوں پر بحث کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ وہ ہمارے عنوان سے متعلقہ نہیں، لہٰذا آخر الذکر یعنی ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے بارے میں گفتگو کرنا مقصود ہے۔ گذشتہ صفحات میں یہ بات گذر چکی ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اور زکوٰۃ میں عموم وخصوص کا فرق ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ کے لیے ''انفاق فی سبیل اللہ'' کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس انفاق فی سبیل اللہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مال زکوٰۃ کا ہی ہو، بلکہ صدقہ وخیرات بھی ہوسکتا ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((وَالْإِنْفَاقُ قَدْ يَكُوْنُ فِيْ الْمَالِ وَفِيْ غَيْرِهِ وَقَدْ يَكُوْنُ وَاجِبًا وَتَطَوُّعًا .)) [1]

''لفظ انفاق کا اطلاق مال اور غیر مال دونوں پر ہوتا ہے، اسی طرح واجب (زکوٰۃ) اور نفل (صدقہ وخیرات) کے لیے بھی اس کا (عام) استعمال ہوتا ہے۔''

زکوٰۃ وخیرات کا مقصد بھی حصول تقویٰ ہے، اگر زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات حصولِ تقویٰ اور حصولِ رضائے الٰہی کے لیے نہ دیے جائیں، تو اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں، جیسا کہ ابواب العلم میں ''صحیحین'' کے حوالے سے طویل روایت گذر چکی ہے۔ لہٰذا امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ

[1] المفردات فی غریب القرآن، ص: ۵۲۲، باب النون مع الفاء.

اپنی کتاب مفردات القرآن میں فرماتے ہیں:

((اَلـزَّكـوٰةُ لِمَا يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ تَعَالىٰ إِلَى الْفُقَرَاءِ وَتَسْـمِيَتُـهٗ بِذَالِكَ مِمَّا يَكُوْنُ فِيْهَا مِنَ الرَّجَاءِ وَالْبَرْكَةِ اَوْ لِتَزْكِيَةِ الـنَّـفْـسِ اَىْ تَـمْنِيَتُهَا بِالْخَيْرَاتِ وَالْبَرَكَاتِ اَوْ لَهُمَا جَمِيْعًا فَاِنَّ الْخَيْرَيْنِ مَوْجُوْدَانِ فِيْهَا ، وَقَرَنَ اللّٰهُ تَعَالىٰ الزَّكوٰةَ بِالصَّلوٰةِ فِى الْقُرْآنِ بِقَوْلِهٖ ﴿وَاَقِيْمُوْا الصَّلوٰةَ وَاٰتُوْا الزَّكوٰةَ﴾ وَبِـزَكَاءِ النَّفْسِ وَطَهَـارَتِهَـا يَـصِيْرُ الْإِنْسَانُ بِحَيْثُ يَسْتَحِقُّ فِى الدُّنْيَا الْاَوْصَافَ الْمَحْمُوْدَةَ وَفِى الْاٰخِرَةِ الْاَجْرُ وَالْمَثُوْبَةُ وَهُوَ اَنْ يَّتَحَرَّى الْإِنْسَانُ مَا فِيْهِ تَطْهِيْرَةٌ.)) [1]

”زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے انسان فقراء ومساکین کے حوالے کرتا ہے، اور اس کا نام زکوٰۃ اس لیے ہے کہ انسان اس کے ذریعے برکت اور تزکیۂ نفس کی اُمید رکھتا ہے یعنی خیرات و برکات کے حصول کی آرزو اور تمنا۔ تو اس میں دونوں چیزوں کا حصول ممکن ہے۔ رب العالمین نے قرآن حکیم میں زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور تزکیہ نفس کے ذریعے انسان دنیا میں اوصاف محمودہ اور آخرت میں اجر وثواب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اس لیے انسان کو ایسی چیز کی تلاش میں رہنا چاہیے جس سے اس کی (گناہوں سے) پاکیزگی ہو سکے۔“

امام اصفہانی رحمہ اللہ کی اس توضیح سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کا معنی ہی حصولِ طہارت (روحانی وجسمانی) ہے جو اللہ کے خوف اور خشیت الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔

اسی طرح وہ آیت کریمہ جو شروع سے ہی ہمارا محل استدلال بنتی چلی آرہی ہیں، اس

---

[1] المفردات فی غریب القرآن: ٢١٢، باب الذاء مع الکاف.

میں متقین کی ایک علامت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ:

﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳﴾

''اور وہ لوگ (متقی ہیں) جو ہمارے عطا کیے ہوئے (مال) سے خرچ کرتے ہیں۔''

مالی اور بدنی عبادت:

زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ ایک ایسی عبادت ہے کہ جو بیک وقت مالی بھی ہے، اور بدنی بھی، کیونکہ انسان سارا دن حلال مال کی جستجو میں رہتا ہے، اس کے بعد حلال طریقے سے اپنے ہاتھ سے کمائے اس مال کو جب اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے، تو اللہ رب العزت اسے شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

نیکوکار لوگ:

اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں نیک لوگوں کو جن انعامات سے نوازنے کا وعدہ فرمایا ہے، وہ یہ ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶﴾ (الدھر: ۵،۶)

''بے شک نیک لوگ پیالوں سے (ایسے مشروبات) پئیں گے جن کا ذائقہ کافور کا ہوگا، یعنی (جنت میں) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے اسے جدھر چاہیں گے پھاڑ کر لے جائیں گے۔''

تو اس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے خوش نصیب کون لوگ ہیں، اور ان کے اندر کون سی علامات پائی جاتی ہیں؟ کہ ہم بھی ان عادات و خصائل کو اپنا کر اللہ تعالیٰ کی جنتوں کے مستحق بن جائیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ

اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝﴾ (الدھر: ۷ تا ۱۰)

''وہ اپنی نذروں کو پورا کرتے، اور اس دن سے خوف زدہ رہتے ہیں جس کی برائی پھیلی ہوئی ہے۔ اور اللہ کی محبت کے (حصول) کے لیے مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ بے شک ہم تمہیں صرف اور صرف اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں۔ اور تم سے کسی قسم کی جزا یا شکر گذاری نہیں چاہتے۔ بیشک ہمیں اپنے رب سے ایک ایسے دن کا ڈر ہے جو انتہائی پُر مشقت اور سخت ہے۔''

ان آیاتِ کریمہ میں رب العالمین نے نیک اور صالحین لوگوں کی جملہ صفات بیان کرتے ہوئے دو صفات یہ بھی بیان کی ہیں کہ وہ لوگ اپنا مال خرچ کرتے وقت اللہ کے خوف اور خشیت الٰہی کو مدنظر رکھتے ہیں۔

نتیجۂ بحث :...... بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ کا مقصد بھی جملہ عبادات کی طرح اپنے دلوں میں رب العالمین کا ڈر اور تقویٰ جاگزیں کرنا ہے۔

5۔ حج:

اللہ کی رضا کے لیے حج کرنا انتہائی عظیم عمل ہے۔ ''صحیح بخاری'' میں امام بخاری رحمہ اللہ نبی اکرم ﷺ سے حج مبرور کی فضیلت یوں بیان فرماتے ہیں:

((عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُوْلُ: مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ .)) [1]

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کی رضا کے لیے حج کیا، پھر اس میں کوئی بے ہودہ بات یا اپنی

[1] صحیح البخاری، کتاب الحج، رقم: ۱۵۲۱.

بیوی سے جماع نہ کیا، اور نہ ہی کسی سے جھگڑا کیا، تو وہ اس دن کی طرح لوٹے گا جس دن اس کی ماں نے اس کو جنم دیا تھا یعنی گناہوں سے پاک ہو کر۔''

اس عظیم عبادت کے بارے میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَ اتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾﴾

(البقرة: ١٩٧)

''اور زادِ راہ اختیار کرو، یاد رکھو! بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرو۔''

امام رازی رحمہ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

((اَمَّا قَوْلُهُ تَعَالٰى ﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ﴾ فَفِيْهِ قَوْلَانِ: اَحَدُهُمَا: اَنَّ الْمُرَادَ، وَتَزَوَّدُوْا مِنَ التَّقْوٰى، وَالدَّلِيْلُ عَلَيْهِ قَوْلُهُ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴿فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ﴾ وَتَحْقِيْقُ الْكَلَامِ فِيْهِ اَنَّ الْاِنْسَانَ لَهُ سَفَرَانِ:

1۔ سَفَرٌ فِي الدُّنْيَا　　　2۔ وَسَفَرٌ مِنَ الدُّنْيَا

(1)...... فَالسَّفَرُ فِي الدُّنْيَا لَا بُدَّ لَهُ مِنْ زَادٍ، وَهُوَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ، وَالْمَرْكَبُ وَالْمَالُ.

(2)...... وَالسَّفَرُ مِنَ الدُّنْيَا لَا بُدَّ فِيْهِ اَيْضًا مِنْ زَادٍ وَهُوَ مَعْرِفَةُ اللّٰهِ وَمَحَبَّتُهُ وَالْاِعْرَاضُ عَمَّا سِوَاهُ، وَهٰذَا لزَا دُخَيْرُهُ مِنَ الزَّادِ الْاَوَّلِ لِوَجْهٍ.

اَلْاَوَّلُ ...... اِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُخَلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ مَوْهُوْمٍ، وَزَادَ الْاٰخِرَةِ يُخَلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُتَيَقَّنٍ.

وَثَانِيْهَا ...... اِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُخَلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ مُنْقَطِعٍ، وَزَادَ

الْاٰخِرَةِ يُخَلِّصُكَ مِنْ عَذَابٍ دَائِمٍ .
وَثَالِثُهَا ...... اِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُوْصِلُكَ اِلٰى لَذَّةٍ مَمْزُوْجَةٍ بِالْآلَامِ وَالْإِسْتِقَامِ وَالْبَلِيَّاتِ وَزَادُ الْاٰخِرَةِ يُوْصِلُكَ اِلَى لَذَّاتٍ بَاقِيَةٍ خَالِصَةٍ عَنْ شَوَائِبِ الْمُضَرَّةِ، آمِنَةٌ مِنَ الْإِنْقِطَاعِ وَالزَّوَالِ .
وَرَابِعُهَا ...... اِنَّ زَادَ الدُّنْيَا وَهِيَ كُلُّ سَاعَةٍ فِيْ الْاَدْبَارِ وَالْإِنْقِضَاءِ وَزَادُ الْآخِرَةِ يُوْصِلُكَ اِلَى الْآخِرَةِ وَهِيَ كُلُّ سَاعَةٍ فِي الْإِقْبَالِ وَالْقُرْبِ وَالْوُصُوْلِ .
وَخَامِسُهَا ...... اِنَّ زَادَ الدُّنْيَا يُوْصِلُكَ إِلَى مَنْصَبَةِ الشَّهْوَةِ وَالنَّفْسِ وَزَادُ الْآخِرَةِ يُوْصِلُكَ اِلٰى عَتَبَةِ الْجَلَالِ وَالْقُدْسِ، فَثَبَت بِمَجْمُوْعِ مَا ذَكَرْنَا اِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى .)) [1]

''آیت کریمہ ﴿وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ کی تفسیر میں دو قول ہیں:

پہلا قول: اس سے مراد یہ ہے کہ تقویٰ کو اپنا زادِ راہ بناؤ۔ جس کی دلیل آیت کا بعد والا حصہ ہے، یعنی ﴿فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾

اور صحیح بات یہی ہے کہ انسان دو قسم کے سفروں کا مسافر ہے:

1۔ وہ سفر جو دنیا میں (ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے) کرتا ہے۔

2۔ وہ سفر جو دنیا سے آخرت کی طرف طے کرتا ہے۔

تو دنیاوی سفر کے لیے بھی زادِ راہ اور مال و متاع کا ہونا ضروری ہے، اور آخرت کے سفر کے لیے بھی انتہائی ضروری ہے۔

تو دنیاوی سفر کا زادِ راہ کھانے، پینے، سواری اور مال و دولت وغیرہ پر مشتمل ہوتا

[1] تفسیر کبیر، للرازی: ١٦٨/٥.

ہے، لیکن آخرت کا سفر اپنے (خالق حقیقی) اللہ تعالیٰ کی پہچان، اور اس کی محبت، جب کہ اس کے علاوہ (غیر اللہ کی محبت) سے روگردانی پر مشتمل ہے۔

تو سفر آخرت کا زادِ راہ اُخروی سفر کے مقابلے میں (مندرجہ ذیل) وجوہات کی بنا پر بہتر (اور ضروری) ہے:

(1)...... دنیاوی سفر کا زادِ راہ پیش آمدہ مشکلات سے بچانے کا سبب ہے، اس کے مقابلے میں آخرت کا سفر ایسی مصائب و آلام سے بچانے کا پیش خیمہ ہے جن کا انسان سے واسطہ پڑنا یقینی بات ہے۔

(2)...... دنیاوی سفر کا زادِ راہ تو مصائب و آلام کے ایک ختم ہو جانے والے سلسلے سے نجات کا باعث ہے، لیکن اُخروی سفر کا زادِ راہ عذاب و مشکلات کے ایک دائمی سلسلے سے حفاظت کا ضامن ہے۔

(3)...... دنیاوی سفر کا زادِ راہ ایسی (عارضی) لذات کا متضمن ہے، جن کے ساتھ مصائب و آلام اور بیماریوں کا ہونا بھی ایک فطری چیز ہے، لیکن آخرت کا زادِ راہ ہمیشہ باقی رہنے والا، اور ہر قسم کی مضر چیزوں سے خلاصی دینے والا ہے۔

(4)...... دنیاوی زادِ راہ (ایک محدود مدت تک کے لیے ہے) جس کا جدا ہو جانا بھی ممکن ہے، اور وہ آنے جانے والی چیز ہے، جب کہ آخرت کا زادِ راہ ہمیشہ کے لیے قریب رہنے والا اور جدا نہ ہونے والا ہے۔

(5)...... دنیا کا زادِ راہ شہوت نفسانی کی رغبت پر اُکسانے والا ہے، جب کہ آخرت کا زادِ راہ (دل کے اندر) رب ذوالجلال والقدوس کی سزا کا خدشہ پیدا کرنے والا ہے۔

ان توضیحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بہترین زادِ راہ تقویٰ ہی ہے۔''

امام رازی رحمہ اللہ کے اس قول کی مزید تائید مندرجہ ذیل آیت سے بھی ہوتی ہے۔

﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶﴾

(الاعراف: ۲۶)

’’اے آدم کی اولاد! ہم نے تمہارے اوپر ایسا لباس اُتارا ہے، جو تمہاری شرم گاہیں چھپاتا ہے، اور زیب وزینت کے لیے بھی لباس اُتارا، لیکن بہترین لباس تقویٰ ہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔‘‘

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((وَقَوْلُهُ ﴿فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ لَمَّا اَمَرَهُمْ بِالزَّادِ لِلسَّفْرِ فِيْ الدُّنْيَا اَرْشَدَهُمْ اِلٰى زَادِ الْاٰخِرَةِ وَهُوَ اِسْتِصْحَابُ التَّقْوٰى اِلَيْهَا كَمَا قَالَ: ﴿وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ لِمَا ذَكَرَ اللِّبَاسَ الْحِسِّيَّ فِيْهِ مُرْشِدًا اِلٰى اللِّبَاسِ الْمَعْنَوِيِّ وَهُوَ الْخُشُوْعُ وَالطَّاعَةُ وَالتَّقْوٰى وَذَكَرَ اَنَّهُ خَيْرٌ مِنْ هٰذَا وَاَنْفَعُ .)) [1]

’’اللہ تعالیٰ نے (حجاج کرام کو) جہاں سفر حج کے لیے زادِراہ کا حکم دیا تو ساتھ ہی سفر آخرت کے زادِراہ کی طرف بھی راہنمائی فرمادی۔ جو کہ لزوم تقویٰ ہے۔ جیسے فرمایا: ﴿وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اس میں بھی جہاں ظاہری لباس کا تذکرہ کیا، وہاں ساتھ مصنوعی لباس کی طرف بھی راہنمائی فرمائی، جو خشوع وخضوع، اطاعت اور تقویٰ ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا کہ بہترین اور نفع مند (لباس) یہی ہے۔‘‘

آیت ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ کا شانِ نزول:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

[1] تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر: ۱/ ۲۳۹.

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما كَانَ أُنَاسٌ يَخْرُجُوْنَ مِنْ اَهْلِيْهِمْ لَيْسَتْ مَعَهُمْ اَزْوِدَةٌ يَقُوْلُوْنَ: نَحُجُّ بَيْتَ اللّٰهِ وَلَا يُطْعِمُنَا؟ فَقَالَ اللّٰهُ: تَزَوَّدُوْا مَا يَكْفِ وُجُوْهَكُمْ عَنِ النَّاسِ .)) [1]

''سیّدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ زادِراہ لیے بغیر گھروں سے حج بیت اللہ کے لیے نکل کھڑے ہوتے، اور کہتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کھلاتا نہیں، لیکن ہم اس کے گھر کے حج کے لیے نکلتے ہیں؟ تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم ساتھ اتنا زادِراہ لے لیا کرو جتنا تمہیں لوگوں سے کافی ہو جائے۔''

قابل غور !......اللہ رب العزت نے حج جیسے عظیم عمل کے لیے بھی تقویٰ کو لازم قرار دیا ہے، لیکن آج ہماری، مسلمانوں کی حالت کیا ہے؟ کہ حج کے لیے جاتے ہیں، مکمل انتظام و انصرام کے ساتھ گھروں سے نکلتے ہیں، چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی یاد ہوتا ہے کہ جو حج مبرور کرے گا، وہ نو مولود بچے کی طرح گناہوں سے پاک ہو جائے گا۔ لیکن کبھی ہم نے یہ سوچا کہ اس مقدس سفر کے لیے ہم جو رقم خرچ کر رہے ہیں اسے ہم نے کس طریقے سے حاصل کیا ہے؟ وہ حلال طریقے سے حاصل کی گئی ہے یا حرام طریقے سے؟ اس کے حصول میں ہم نے کسی کا حق تو نہیں دبایا؟ یا ہم نے کسی غریب، مسکین اور لاچار پر ظلم و زیادتی تو نہیں کی۔ ذرا اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے ضمیر سے سوال کریں؟ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو اللہ کا شکر ادا کیجیے، اور اگر جواب نفی میں آئے، اور مال سودی کاروبار سے حاصل شدہ ہو، حرام مال کی آمیزش ہو، یا کسی پر ظلم و زیادتی کے بعد اس مال کو حاصل کیا گیا ہو، تو یاد رکھیے! حرام کھانے والے کا حج تو دُور کی بات کوئی عبادت بھی قبول نہیں کی جاتی۔ چنانچہ سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] تفسیر القرآن العظیم: ١/٢٣٨.

((أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا ، وَإِنَّ اللَّهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ ، فَقَالَ: ﴿يَاأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ (المؤمنون: ٥١) وَقَالَ: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرة: ١٧٢) ثُمَّ ذَكَرَ ، الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ ، يَا رَبِّ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟)) [1]

''لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم اپنے رسولوں کو دیا تھا وہی مومنین کو دیا ہے (رسولوں کو ارشاد ہے) '' اے رسولو! حلال مال کھاؤ اور نیک اعمال کرو، بے شک جو عمل تم کرتے ہو میں انہیں جاننے والا ہوں۔'' (اور ایمان والوں کو حکم ہے) کہ '' اے ایمان والو! تم حلال مال کھاؤ جو ہم نے تم کو دیا ہے۔'' پھر آپ نے ایک آدمی کا ذکر کیا جو لمبا سفر کر کے گرد و غبار سے اَٹے بالوں کے ساتھ (بارگاہِ رب العالمین میں) اپنے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرتا ہے: اے میرے رب ! اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، پینا، پہننا (سب) حرام مال سے ہے، بلکہ اس کی غذا ہی حرام ہے، تو اس کی دعا کیسے قبول ہو؟''

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((وَفِيهِ الْحِثُّ عَلَى الْإِنْفَاقِ مِنَ الْحَلَالِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْإِنْفَاقِ مِنْ غَيْرِهِ وَفِيهِ اَنَّ الْمَشْرُوْبَ وَالْمَأْكُوْلَ وَالْمَلْبُوسَ وَنَحْوَ ذَلِكَ

[1] صحيح مسلم، كتاب الزكوٰة، رقم : ٢٣٤٦.

یَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ حَلاَلًا خَالِصًا لَا شُبْهَةَ فِیْهِ وَاِنَّ مِنْ اِرَادِ الدُّعَاءِ کَانَ اَوْلٰی بِالْاِعْتِنَاءِ بِذٰلِكَ مِنْ غَیْرِهٖ.)) ❶

''اس حدیث میں حلال مال کو خرچ کرنے کی ترغیب، اور حرام مال خرچ کرنے سے روکا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے یہ مسئلہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ انسان کے کھانے پینے اور لباس میں حرام کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے، بلکہ خالص حلال ہونا چاہیے، ایسے ہی دعا کرتے وقت سب سے پہلے اسی کا اہتمام کرنا چاہیے۔''

اب ذرا معاشرے میں غور کیجیے! کتنے ایسے لوگ ہیں جو سودی کاروبار سے حاصل شدہ مال سے صدقہ وخیرات بھی کرتے ہیں۔ یتیموں، مسکینوں اور بیواؤں کی مدد بھی کرتے ہیں۔ حج وغیرہ بھی کرتے ہیں، اور پھر ظلم کی انتہا یہ کہ ایسے لوگوں کو مقام ومرتبہ بھی بہت زیادہ دیا جاتا ہے، جو کوئی جتنا زیادہ حرام خور ہوگا، وہ محلے یا علاقے میں اتنا ہی معزز شمار ہوگا۔ حالانکہ سود کھانے والے لوگوں کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا واضح فرمان موجود ہے:

((عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ ، الرِّبَا سَبْعُونَ حُوْبًا أَیْسَرُهَا أَنْ یَنْکِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ.)) ❷

''سیّدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سود کے گناہ کے ستر درجے ہیں، سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرلے۔''

ذرا غور کیجیے! یہ عزت ہے یا لعنت ہے۔ اور پھر جس فعل کے گناہ کا ادنیٰ ترین درجہ اپنی والدہ سے نکاح کرنے کے مترادف ہے تو ذرا تصور کیجیے، باقی درجات کتنے زیادہ قبیح ہوں گے۔

---

❶ شرح النووی: ٧/ ١٠٠.

❷ سنن ابن ماجه، باب التغلیظ فی الربا، رقم: ٢٢٧٤۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

6۔سودی کاروبار چھوڑ دینا:

ذیل کی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو بتلایا جارہا ہے کہ ایمان کا تقاضا تقویٰ ہے، کیونکہ سود اور ایمان دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝٢٧٨﴾ (البقرة : ۲۷۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اگر تم مومن ہو، تو باقی ماندہ سود کو چھوڑ دو۔''

سود ترک نہ کرنے والوں کے لیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ۝٢٧٩﴾ (البقرة : ۲۷۹)

''اور اگر تم نے سود کو نہ چھوڑا تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اور اگر تم توبہ کرلو گے تو اصل مال کے مالک تم ہی ہو گے۔ ظلم نہیں کرو گے، تو تم پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

بہر حال خلاصۂ کلام یہ ہے کہ حج بیت اللہ کے لیے بھی لازمی چیز تقویٰ ہے۔ جس کا حصول مالِ حلال اور خلوصِ نیت کے بغیر ممکن نہیں۔

7۔ جہادِ فی سبیل اللہ:

جہادِ فی سبیل اللہ ایک ایسا عمل ہے جس میں اہل ایمان کو اپنا مال و دولت، حتی کہ اپنی جان تک اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم ہے، اور جان کی قربانی کے لیے کوئی بھی آدمی اس وقت تک آمادہ اور تیار نہیں ہوسکتا، جب تک اس کے دل میں حقیقی طور پر اللہ کا خوف اور خشیت الٰہی پیدا نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ خشیت الٰہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے دل میں پیدا ہو جائے اس کے دل سے غیروں کا ڈر اور خوف ختم ہو جاتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متقی آدمی جہاد فی سبیل اللہ سے بالکل گریز نہیں کرتا، جب کہ اس کے برعکس جس کے دل میں اللہ کا

خوف اور ڈر نہیں ہوتا، وہ اس عظیم عمل سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ﴾ (التوبة : ٤٤)

''نہیں آپ سے اجازت طلب کرتے وہ لوگ، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ جہاد کریں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ، اور اللہ متقین کو خوب جاننے والا ہے۔''

علامہ سیّد محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کا مفہوم یوں واضح فرماتے ہیں:

((شَهَادَةٌ لَّهُمْ بِالتَّقْوٰى لِوَضْعِ الْمَظْهَرِ فِيْهِ وَمَوْضِعِ الْمُضْمِرِ اَوْ اِرَادَةُ جِنْسِ الْمُتَّقِيْنَ وَدُخُوْلُهُمْ فِيْهِ دُخُوْلًا اَوَّلِيًّا وَعِدَةٌ لَّهُمْ بِالثَّوَابِ الجَزِيْلِ .)) ❶

''یہ (جہاد میں نکلنے والوں) کے تقوے کی گواہی ہے، کیوں کہ (تقوے میں) ظاہر اور باطن دونوں موافق ہوتے ہیں یا پھر متقین کی قسم مراد ہے، جن کا اس (جہاد) میں داخل ہونا اولاً ہوتا ہے۔ اور یہ (متقین) کے لیے بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

((وَفِيْ ذَلِكَ تَقْرِيْرٌ لِمَضْمُوْنِ مَا سَبَقَ كَاَنَّهُ قِيْلَ: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِاَنَّهُمْ كَذَلِكَ اِشْعَارٌ بِاَنَّ مَا صَدَرَ عَنْهُمْ مُعَلَّلٌ بِالتَّقْوٰى .)) ❷

''اس میں سابقہ مضمون کا اثبات ہے۔ گویا کہ یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ (دلی اعتبار سے بھی) اسی طرح ہیں یعنی اپنے دعوے میں سچے ہیں اور ان

❶ تفسیر روح المعانی: ۱۱۰/۱۰۔ ❷ ایضاً۔

کے اس فعل دلیل کو تقویٰ کی علامت قرار دیا ہے۔''

قاضی ابومحمد عبدالحق بن عطیہ اندلسی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

((لَا تَـحْتَـاجُـوْنَ اِلٰى اَنْ يَّسْتَأْذِنُوْا فِيْ أَنْ يُّجَاهِدُوْا بَلْ عُضُونٌ قَـدَمًـا ، اَيْ فَهُـمْ ، اَحْرَاى اَلَّا يَسْتَأْذِنُوْا فِيْ التَّخَلُّفِ ، ثُمَّ اَخْبَرَ بِعِلْمِهٖ تَعَالٰى بِالْمُتَّقِيْنَ وَفِيْ ذٰلِكَ تَعْسِيْرٌ لِلْمُنَافِقِيْنَ وَطَعْنٌ عَلَيْهِ بَيْنٌ .)) [1]

''انہیں تو جہاد سے اجازت لینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، بلکہ وہ تو آگے آگے چلنے والے لوگ ہیں۔ یعنی وہ بہتری اسی میں خیال کرتے ہیں کہ پیچھے رہنے کی اجازت ہی نہ لیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے متقین کے علم ہونے کی بھی خبر دے دی، جو منافقین کے لیے انتہائی باعث عار بات ہے، اور ان پر واضح ڈانٹ ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ (التوبة: ٣٦)

''اور مشرکوں سے سب مل کر لڑو جس طرح وہ تم سے سب مل کر لڑتے ہیں، اور جان لو کہ بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہے۔''

اس آیت کریمہ میں متقین سے مراد قتال کرنے والے مومن ہیں، جن سے اللہ رب العزت نے اپنی معیت اور نصرت وتائید کا وعدہ کیا ہے۔ علامہ سیّد محمود الالوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((...... ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ...... بِـالْـوِلَايَةِ وَالنَّصْرِ ، فَـاتَّـقُوْا لِتَفُوْزُوْا بِوِلَايَتِهٖ وَنُصْرِهٖ سُبْحَانَهٗ فَهُوَ اِرْشَادٌ لَّهُمْ اِلٰى مَا يَـنْـفَعُهُمْ فِيْ قِتَالِهِمْ بَعْدَ اَمْرِهِمْ بِهٖ وَقِيْلَ: اَلْمُرَادُ اَنَّ اللّٰهَ مَعَكُمْ

---

[1] المحرر الوجيز فى تفسير الكتاب العزيز المعروف بتفسير ابن عطيه: ٦/٥٠٨.

بِالنَّصْرِ وَالْإِمْدَادِ فِيْمَا تُبَاشِرُوْنَهُ مِنَ الْقِتَالِ وَاِنَّمَا وَضَعَ الْمُظْهَرَ مَوْضِعَ الْمُضْمِرِ مَدْحًا لَّهُمْ بِالتَّقْوٰى وَحَثًّا لِلْقَاصِرِيْنَ عَلٰى ذٰلِكَ وَاِيْذَانًا بِاَنَّهُ الْمَدَارُ فِى النُّصْرِ، وَقِيْلَ: هِىَ بَشَارَةٌ وَضَمَانٌ لَّهُمْ بِالنُّصْرَةِ بِسَبَبِ تَقْوٰهُمْ كَمَا يُشْعَرُ بِذٰلِكَ التَّعْلِيْقُ بِالْمُشْتَقِّ، وَمَا ذَكَرْنَاهُ نَحْنُ لَا يَخْلُوا عَنْ حَسَنٍ اِلَّا اَنَّ الْاَمْرَ بِالتَّقْوٰى فِيْهِ اَعَمُّ مِنَ الْاَحْدَاثِ وَالدَّوَامِ وَمِثْلُهُ كَثِيْرٌ فِى الْكَلَامِ.)) [1]

''اس آیت میں معیت سے مراد تائید ونصرت ہے، پس اس کی تائید ونصرت سے سرفراز ہونے کے لیےتقویٰ اختیار کرو۔قتال کے حکم کے بعدان کی ایسی چیز کی طرف راہنمائی کی جارہی ہے، جوان کے لیے میدانِ قتال میں نفع مند ثابت ہو۔اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد یہ ہے کہ میدان قتال میں پیش آنے والے حالات میں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔''

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کےتقویٰ اور پرہیزگاری کی مدح کرتے ہوئے،جبکہ تقویٰ سے خالی لوگوں کواس کی ترغیب دینے کے لیے ظاہر کو باطن کے قائم مقام قرار دیاہے۔اوراس بات پرخبردار کرنے کے لیے کہ اللہ کی طرف سے نزولِ نصرت کے لیےتقویٰ کا ہونا ضروری ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کےتقویٰ کے سبب ان کونصرت کی ضمانت، اورخوش خبری دی گئی ہے، جیسا کہ سیاق کلام سے واضح ہوتا ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں کہ کوئی نیکی کا کام ایسانہیں ہے، جس کے ساتھ لزوم تقویٰ کا حکم نہ دیا گیا ہو۔جس کی مثالیں کلام اللہ میں کثرت سے موجود ہیں۔

8۔صبر:

قارئین کرام! جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں یہ بیان کر آئے ہیں کہ ہر نیک عمل کے ساتھ

---

[1] روح المعاني: ۹۳/۱.

تقوی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، جیسا کہ علامہ سیّد محمود الالوسی رحمہ اللہ کا کلام بھی پہلے گذر چکا ہے'' کہ کوئی نیکی کا کام ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ تقویٰ و پرہیز گاری کا حکم نہ دیا گیا ہو، جس کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔''

اب ہم اپنے عنوان کی طرف آتے ہیں۔ اختصار کے پیش نظر تقوی اور صبر کے بارے میں مختصر سی گفتگو کرنا مقصود ہے:

صبر کا لغوی معنی:

ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا اللغوی (المتوفی ۳۹۵ھ) صبر کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

((صَبَرْتُ نَفْسِیْ عَلٰی ذٰلِكَ اَیْ حَبَسْتُهَا وَاَصْلُ الصَّبْرِ: اَلْحَبْسُ)) ❶

''صَبَرْتُ نَفْسِیْ عَلَی ذٰلِكَ'' کا معنی یہ ہے کہ میں نے اپنے آپ کو روکے رکھا، اور اصل میں صبر رُکنے کو کہتے ہیں۔''

یعنی کسی بھی چیز سے رُک جانے کا نام صبر ہے۔ چنانچہ علامہ محمود الآلوسی رحمہ اللہ صبر کا معنی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((...... (اَلصَّبْرُ) حَبْسُ النَّفْسِ عَلَی مَا تَکْرَہُ .)) ❷

''ناپسندیدہ کام پر نفس کو روکنے کا نام صبر ہے۔''

صبر کی شرعی تعریف:

امام رازی رحمہ اللہ صبر کی شرعی تعریف یوں تحریر فرماتے ہیں:

((اَمَّا الصَّبْرُ فَهُوَ قَهْرُ النَّفْسِ عَلٰی اِحْتِمَالِ الْمَکَارِهِ فِیْ ذَاتِ اللّٰهِ تَعَالٰی تَوْطِیْنِهَا عَلَی تَحَمُّلِ مُشَاقٍّ وَتَجَنُّبِ الْجَزْعِ .)) ❸

---

❶ مجمل اللغة، ص: ٥٤٩.
❷ روح المعاني: ٢٤٨/٢.
❸ تفسير الكبير، للرازي: ١٤٤/٤.

''اللہ کی رضا کے لیے اپنے نفس کو (نفس پر) ناگوار گزرنے والے اُمور پر آمادہ کرنے، پرمشقت اُمور کی ترغیب دینے اور جزع (بے صبری) سے رُک جانے کا نام صبر ہے۔''

اللہ رب العزت نے قرآن میں صبر والے لوگوں کو ہی متقین کہا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾﴾ (البقرہ: ۱۷۷)

''صبر کرنے والے تکلیف، سختی اور (میدان) قتال میں، یہی لوگ ہیں، جنہوں نے سچی بات کی، اور یہی لوگ تقوے والے ہیں۔''

اس آیت کریمہ میں صبر کرنے کے لیے انتہائی اہم اُمور کو بیان کیا گیا ہے۔ جن سے باقی اُمور میں صبر کرنے کی توثیق ہوتی ہے، بلکہ کہنا تو یوں چاہیے کہ اجمالی طور پر مقامات صبر کو بیان کر دیا گیا ہے، کیونکہ صبر کا معنی ہی ناگوار اُمور پر جمے رہنا ہے۔ چنانچہ علامہ سیّد محمود آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((...... ﴿وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ﴾ ...... نَصْبٌ عَلَى الْمَدْحِ بِتَقْدِيْرٍ . اَخَصَّى اَمْدَحَ ، وَغَيْرُ سَبْكٍ عَمَّا قَبْلَهٗ تَنْبِيْهًا عَلٰى فَضِيْلَةِ الصَّبْرِ وَمَزِيَّتِهٖ عَلَى سَائِرِ الْاَعْمَالِ حَتّٰى كَاَنَّهٗ لَيْسَ مِنْ جِنْسِ الْاَوَّلِ .)) [1]

''لفظ (الصَّابِرِيْنَ) ''اخصّی'' (اس نے خاص کیا) یا امدح (اس نے مدح و تعریف کی) ان دونوں لفظوں کے مقدر ہونے کی وجہ سے مدح کی بناء پر منصوب ہے۔ اور اس جملے کو، صبر کی فضیلت بیان کرنے اور تمام اعمال سے جدا گانہ حیثیت کی بناء پر گذشتہ کلام سے جدا کیا ہے۔''

---

[1] روح المعانی: ۲/ ۴۷.

اقسامِ صبر:

سلف صالحین سے مختلف احوال میں صبر کی مختلف اقسام منقول ہیں، جو سب اپنی اپنی جگہ اپنا مقام اور حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی (المتوفی ۳۵۴ھ) صبر کی اقسام بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((اَلصَّبْرُ عَلَى فُرُوْبٍ ثَلَاثَةٍ، فَا الصَّبْرُ عَنِ الْمَعَاصِیْ، وَالصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَاتِ وَالصَّبْرُ عِنْدَ الشَّدَائِدِ وَالْمَصَائِبِ)) ❶

''صبر کی تین اقسام ہیں:

(1) گناہوں (سے بچنے کے لیے پیش آنے والی مشکلات) پر صبر کرنا۔

(2) نیکی (کے کام کرنے کے لیے پیش آمدہ مشکلات) پر صبر کرنا۔

(3) (روز مرہ کے معاملات میں) آنے والے مصائب و پریشانیوں پر صبر کرنا۔''

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ صبر کی اقسام درج فرماتے ہیں:

((اِعْلَمْ! اَنَّ الصَّبْرَ ضَرْبَانِ احَدُهُمَا بَدَنِیْ، كَتَحَمُّلِ الْمُشَاقِّ بِالْبَدَنِ، وَالثُّبَاتُ عَلَيْهِ، وَهُوَ اِمَّا بِالْفِعْلِ كَتَعَاطِیْ الْاَعْمَالِ الشَّاقَّةِ اَوْ بِالْاِحْتِمَالِ كَالصَّبْرِ عَلَى الضَّرْبِ الشَّدِيْدِ، وَالْاَلَمِ الْعَظِيْمِ، وَالثَّانِیْ: هُوَ الصَّبْرُ النَّفْسَانِیُّ وَهُوَ مَنْعُ النَّفْسِ عَنْ مُقْتَضِيَاتِ الشَّهْوَةِ وَمُشْتَهِيَاتِ الطَّبْعِ .)) ❷

''یادرکھو! صبر کی دو قسمیں ہیں:

(1)...... بدنی...... مثلاً بدن سے مشقت والے معاملات برداشت کرنا، اور

---

❶ روضة العقلاء و نزهة الفضلاء، ص: ۲۷۵.

❷ تفسير الكبير، للرازی: ۱۵۱/٤.

ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا۔ اور پھر یہ تو یا فعلی ہوگا جیسے مشکل معاملات کو سرانجام دینا یا احتمالی ہوگا جیسے متوقع شدائد وآلام پر عزم صبر کرنا۔
(2)...... وہ نفسانی صبر ہے جو طبع پسند اور خواہشات کی پسندیدہ چیزوں سے نفس کو روکنے کا نام ہے۔''

((ثُمَّ هَذَا الصَّبْرُ اِنْ كَانَ صَبْرًا عَنْ شَهْوَةِ الْبَطْنِ وَالْفَرْجِ سُمِّيَ عِفَّةً .)) [1]

''اگر پیٹ یا شرم گاہ کی خواہشات پر صبر کیا جائے، تو اس کو عفت (پاکدامنی) کہتے ہیں۔''

اسی طرح امام رازی رحمہ اللہ نے مختلف معاملات میں صبر کرنے کے مختلف نام ذکر کیے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

((وَقَدْ جَمَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَقْسَامَ ذٰلِكَ وَسَمَّى الْكُلَّ صَبْرًا ، فَقَالَ: ﴿الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ﴾ اَىِ الْمُصِيْبَةِ ﴿وَ الضَّرَّآءِ﴾ اَىِ الْفَقْرِ ﴿وَ حِيْنَ الْبَاْسِ﴾ اَىِ الْمُحَارَبَةِ .)) [2]

''اللہ تعالیٰ نے ان تمام اقسام کو جمع کر کے ان سب کا (ایک جامع) نام صبر رکھ دیا ہے، اور فرمایا: ﴿الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ﴾ مصائب میں صبر کرنے والے اور ﴿وَ الضَّرَّآءِ﴾ یعنی تنگ دستی میں صبر کرنے والے ﴿وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾ یعنی جنگ میں صبر کرنے والے۔''

مزید وضاحت کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان مکروہ چیزوں پر صبر کرنے کے جو مختلف نام امام رازی رحمہ اللہ نے تحریر فرمائے ہیں، انہیں بھی زینت قرطاس بنایا جائے۔ لہٰذا امام

---

[1] تفسیر الکبیر، للرازی: ٤/ ١٥١.
[2] تفسیر الکبیر، للرازی: ٤/ ١٥٢.

رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ (جس کا ترجمہ یہ ہے):

''مکروہات کے مختلف ہونے کے اعتبار سے ان پر صبر کرنے کے نام بھی مختلف ہیں۔ عام طور پر آنے والے مصائب میں اس کا صبر ہی ہے جس کا متضاد (جزع اور ہلع) یعنی شور شرابا کرنا ہے۔ اور یہ (جزع، ہلع) خواہشات کے پیروکار آدمی کا آوازیں بلند کرنے، (شور شرابا کرنے) رخسار پیٹنے، اور سینہ کوبی کرنے کو کہتے ہیں، اور اگر صبر حالت غنا (وافر مال) میں کیا جائے، تو اسے ''ضبط نفس'' کہتے ہیں اور جنگ اور لڑائی کی حالت میں صبر کو شجاعت (بہادری) سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کا اُلٹ جُبن (بزدلی) ہے۔ اور غیظ وغضب کی حالت میں صبر کیا جائے تو اسے حلم (بردباری) سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جس کا متضاد نزق (طیش میں آنا) ہے۔ اور حوادث زمانہ پر کیے جانے والے صبر کو ''سعۃ الصدر'' (کشادہ دلی وسعت ظرفی) کہتے ہیں جس کا اُلٹ ''ضجر'' (کم دلی) ندم (پشیمانی) اور ضیق الصدر (تنگ دلی) ہے۔ اور کسی (تکلیف دہ) بات کو (دل میں) چھپائے رکھنے کو ''کتمان النفس'' کہتے ہیں، اور ایسا کرنے والے کو ''کُتُوم'' کہتے ہیں۔ اور اگر فضول عیش وعشرت کی زندگی سے صبر کیا جائے، تو اسے ''زہد'' کہتے ہیں اور اس کا متضاد حرص (لالچ کرنا) ہے۔ اسی طرح کم مال پر گذر بسر کرنے کو ''قناعت'' کہتے ہیں جس کا متضاد شرہ (حرص کرنا) ہے۔'' [1]

قارئین کرام غور کیجیے! رب العالمین نے تمام قسم کے مصائب وشدائد کو یکجا کر دیا، پھر ان تمام اقسام کے واقع ہونے پر کنٹرول کرنے کا نام صبر رکھ دیا، اور صبر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اکثر نیک اعمال کا اجر مقرر کر دیا ہے، لیکن صبر کا کوئی اجر مقرر نہیں کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[1] تفسیر الکبیر، للرازی: ٤/ ١٥٢.

﴿ قُلۡ یٰعِبَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَہُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾ ﴾ (الزمر: ۱۰)

''(اے نبی اکرم) فرما دیں کہ اے ایمان والے بندو! اپنے رب سے ڈرو، ان لوگوں کے لیے بھلائی (اچھا صبر) ہے، جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی، اور اللہ کی زمین بہت وسیع ہے، بے شک صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب دیا جائے گا۔''

امام اوزاعی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((لَيْسَ يُوزَنُ لَهُمْ وَلَا يُكَالُ لَهُمْ لَا يُغْرَفُ لَهُمْ غُرْفًا .)) [1]

''ان کے اجر وثواب کو ناپا تولا نہیں جائے گا، بلکہ (بغیر حساب) کھلا اجر دیا جائے گا۔''

اسی طرح روزہ جو سراپا صبر ہے جس میں انسان بھوک، پیاس اور شہوات نفسانی سے اپنے آپ کو ہر حالت میں کنٹرول میں رکھتا ہے، اس کے بارے میں حدیث قدسی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلَّا الصِّيَامَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ)) [2]

''آدمی کا ہر عمل اسی کے لیے ہے، لیکن روزہ میرے لیے ہے، اور میں ہی اس کا اجر دوں گا۔''

وسعت صبر:

جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ رب العزت نے مصائب وشدائد کی تمام اقسام کو یکجا کر کے ان کے مجموعے کا نام صبر رکھ دیا ہے، لیکن اگر بنظر غائر قرآن کریم کا مطالعہ کیا

---

[1] تفسیر القرآن العظیم، لابن کثیر: ٤/٤٨۔ ط: مصر.

[2] صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب هل یقول انی صائمٌ اذا شئتم، رقم: ١٨٩٤.

جائے، تو تمام کے تمام اعمال صالحہ کو بجالانا، اعمال سیئہ سے اجتناب کرنا، اور تقدیر الٰہی کو دل و جان سے قبول کرنا، یہ تمام چیزیں جزوی طور پر صبر کو شامل ہیں۔ چنانچہ امام ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((فَالصَّبْرُ مُتَعَلِقٌ بِالْمَاْمُوْرِ وَالْمَحْظُوْرِ وَالْمَقْدُوْرِ بِالْخَلْقِ وَالْاَمْرِ، وَالشَّيْخُ دَائِمًا، يَحُوْمُ حَوْلَ هٰذِهِ الْاُصُوْلِ الثَّلَاثَةِ، لَقَوْلِهِ يَا بُنَيَّ اِفْعَلْ اِنَّمَا مَاْمُوْرٌ وَاجْتَنِبِ الْمَحْظُوْرَ وَالصَّبْرُ عَلٰى الْمَقْدُوْرِ.)) [1]

''صبر اوامر، نواہی اور ہر قسم کی تقدیر کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اور استاد (کی وصیت اپنے شاگرد کے حق میں) ان تینوں اُصول کے گرد گھومتی ہے، مثلاً استاد (اپنے شاگرد سے) کہتا ہے، بیٹا! احکام کو بجا لاؤ، نواہی سے اجتناب کرو اور تقدیر پر صبر کرو۔''

اور یہی وہ تین چیزیں ہیں جن کا حکم سیّدنا لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو دیا تھا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٧﴾﴾ (لقمان: ۱۷)

''اے بیٹے! نماز قائم کر، نیکی کا حکم دے، برائی سے روک اور (اس راستے میں) جو مصیبت آئے اس پر صبر کر۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صبر ایک ایسی چیز ہے، جس کا اجر مقرر نہیں ہے، بلکہ اس کا اجر بغیر حساب ہوگا۔ جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾﴾ (الزمر: ۱۰)

[1] عدة الصابرين وذخيرة الشاكرين، ص: ٢٤، ط: مكتبة ابن القيم ومكتبة المتنبى، القاهره.

''یقیناً صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا۔''

صبر ایک ایسی چیز ہے جو تمام اسلامی عبادات ، منکرات ، محظورات ، مامورات کا مجموعہ ہے۔

عبادات کرنے میں محنت صرف ہوتی ہے، مشقت اُٹھانا پڑتی ہے اسی لیے ان کو صبر سے تعبیر کیا گیا، اور منکرات ومحظورات میں بھی اسی طرح محنت شاقہ ایک لازمی چیز ہے۔ لہٰذا اس کو بھی صبر سے تعبیر کیا گیا، نتیجتاً احکامِ الٰہی کی پابندی کرنا اور منکرات سے اجتناب کرنا، تقویٰ کہلاتا ہے، لہٰذا منطقی اعتبار سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ تقویٰ اور صبر دونوں قریب کے ساتھی ہیں۔ یعنی متقی بننے کے لیے صبر کی ضرورت ہے، اسی طرح صابر بننے کے لیے تقویٰ کا ہونا نہایت ضروری چیز ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

9۔ ہدایت:

ہدایت ایک ایسی منفرد چیز ہے، جس کا حصول تقوی کے بغیر ناممکن ہے۔ یعنی جس کے دل کے اندر ہدایت کی تڑپ موجود ہوگی ، اور پھر اس کے حصول کے لیے کوشش بھی کرے گا، وہ اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا ، اس کے برعکس اگر کسی کے دل میں حصولِ ہدایت کی تڑپ اور لگن ہی موجود نہیں، تو قانون فطرت ہے کہ ایسے انسان کی کایا بھی نہیں پلٹ سکتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ (الرعد: ١١)

''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے (دلوں کی) حالت تبدیل نہ کرلیں۔''

بقول اقبال ؏

خدا نے کبھی اُس قوم کی حالت کو نہیں بدلا
نہ ہو خیال جسے خود اپنی حالت بدلنے کا

اسی حقیقت کو اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں بار بار کبھی:
﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ کے الفاظ سے،
کہیں ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ﴾ کے انداز سے،
اور کہیں ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ﴾ کے طرزِ بیان سے سمجھایا ہے۔

یعنی ظلم کرنے والے، فاسق و فاجر اور کافر جب تک اپنے دل کی دنیا کو تبدیل نہیں کر لیتے، اس وقت تک ان کو ہدایت سے روشناس نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے برعکس جو آدمی قلب تقوی لے کر آئے گا، صراطِ مستقیم پر چلنے کی تڑپ لے کر آئے گا، قلب سلیم یعنی تعصب وتقلید سے صاف دماغ لے کر آئے گا، تو اس کے لیے رب العالمین راستے کھولتے چلے جائیں گے، اس کا اُٹھنے والا ہر قدم پہلے سے اہم ہوتا چلا جائے گا۔ پھر ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب رب العالمین اس کو ہدایت اور صراطِ مستقیم کی دولت سے بہرہ ور فرمائے گا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴾

(البقرہ: ۱۵۰)

''پس تم ان سے مت ڈرو، بلکہ مجھ سے ڈرو! تاکہ میں تم پر اپنی نعمت کو پورا کردوں اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔''

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّ الْوَاجِبَ عَلَى الْمَرْءِ فِيْ كُلِّ اَفْعَالِهِ، وَتُرُوْكِهِ اَنْ يَّنْصِبَ بَيْنَ عَيْنَيْهِ خَشْيَةَ عِقَابِ اللّٰهِ وَاَنَّ يَّعْلَمَ اَنَّهُ لَيْسَ فِيْ يَدِ الْخَلْقِ شَيْءٌ اَلْبَتَّةَ وَاَنْ لَّا يَكُوْنَ مُشْتَغِلُ الْقَلْبِ بِهِمْ وَلَا مُلْتَفِتُ الْخَاطِرِ اِلَيْهِمْ .)) [1]

''یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آدمی پر اس کے تمام افعال کے بجالانے

[1] تفسیر کبیر، للرازی: ٤/ ١٤٠.

اور نواہی سے باز رہنے کے وقت اپنی آنکھوں کے سامنے عقاب الٰہی کے خوف کو نصب کرلے، اور یقین کرلے کہ مخلوق کے ہاتھوں میں کوئی اختیار نہیں ہے، اور لوگوں کی طرف دیکھ کر پریشان نہ ہو اور نہ ہی انہیں کسی خاطر میں لائے۔''

جب تک انسان افعال کے بجالانے اور نواہی سے باز رہنے کے وقت خشیت الٰہی کو مدنظر نہیں رکھتا، بلکہ اس کے برعکس اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے، ایسے لوگوں کے دلوں پر رب العالمین کی جانب سے مہر لگ جاتی ہے، جو کلامِ ہدایت کو سنتے تو ہیں، لیکن اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ ﴾ (محمد: ١٦)

''اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کے ارشادات کو غور سے سنتے ہیں، حتی کہ جب وہ آپ کی مجلس سے نکلتے ہیں تو ان لوگوں سے جو علم دیے گئے، کہتے ہیں کہ ابھی ابھی آپ نے کیا فرمایا ہے؟ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ اور انہوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ رب العالمین نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے کہ جنہوں نے فرامین رسول ﷺ کو اپنے کانوں سے سنا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی نفسیاتی خواہشات کو فرامین رسول ﷺ پر مقدم رکھا، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، جس وجہ سے وہ صراطِ مستقیم کی لازوال دولت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ علامہ خازن رحمہ اللہ (المتوفی: ۷۴۱ھ) اس آیت کریمہ کے مفہوم کو یوں واضح فرمایا ہے:

((وَالْـمَعْنٰی اَنَّهُمْ لَمَّا تَرَكُوْا اِتِّبَاعَ الْحَقِّ اَمَاتَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ فَلَمْ تَفْهَمْ وَلَمْ تَعْقِلْ فَعِنْدَ ذٰلِكَ اِتَّبَعُوْا اَهْوَاءَ هُمْ فِی الْبَاطِلِ .)) [1]

[1] تفسیر الخازن: ٤ / ١٣٧.

''جب انہوں نے اتباعِ حق کو ترک کر دیا، تو اللہ نے ان کے دلوں کو مردہ کر دیا، جس وجہ سے وہ حق بات کو نہ سمجھ سکے، تو انہوں نے اُمورِ باطلہ میں اپنی خواہشات کی اتباع کی۔''

قارئین کرام! ذرا غور کیجیے! اس آیت کریمہ میں (یَسْتَمِعُ) کے الفاظ کو استعمال کیا گیا ہے، جو باب ''اِسْتِفْعَالٌ'' سے مشتق ہے۔ اور اس میں طلب اور تکلف کے معنی پائے جاتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پرتکلف انداز سے کلامِ مصطفیٰ ﷺ کو سنا، لیکن ان کی مرضی اور منشا کے خلاف ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں نے آوازِ حق کو تسلیم کرنے سے نہ صرف انکار کر دیا، بلکہ بطورِ استہزاء و مذاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے سوال کرنے لگے کہ ﴿مَاذَا قَالَ اٰنِفًا﴾ نبی اکرم ﷺ نے ابھی ابھی کیا ارشاد فرمایا ہے؟

ان کے اسی رویے کی بناء پر اللہ رب العزت نے ان کے دلوں کو مردہ بنا دیا، جس وجہ سے وہ حق بات سننے کے باوجود اسے تسلیم کرنے سے قاصر ہیں۔

اس کے برعکس وہ لوگ جنہوں نے نبی رحمت ﷺ کی بات کو سن کر اپنانے کی کوشش کی تو اللہ رب العزت نے انہیں ان کی کوشش میں کامیاب فرما دیا، اور نہ صرف راہِ ہدایت پر چلنے میں ان کے سینوں کو کھول دیا، بلکہ ان کے دلوں میں تقویٰ اور خوفِ الٰہی بھی پیدا فرما دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝﴾

(محمد: ۱۷)

''اور وہ لوگ جنہوں نے ہدایت حاصل کی، اللہ نے انہیں ہدایت میں بڑھا دیا، اور انہیں ان کا تقویٰ بھی عطا فرما دیا۔''

حافظ ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((اَیْ وَالَّذِیْنَ قَصَدُوْا الْهِدَایَةَ وَفَّقَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی لَهَا فَهَدَاهُمْ

اِلَيْهَا وَثَبَّتَهُمْ عَلَيْهَا وَزَادَهُمْ مِنْهَا .)) [1]

''جن لوگوں نے ہدایت کا قصد کیا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس پر ثابت قدم رکھا، اوران کواور زیادہ ہدایت عطا فرمادی۔''

علامہ خازن رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کو یوں واضح فرماتے ہیں:

((يَعْنِيْ اَنَّهُمْ كُلَّمَا سَمِعُوْا مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِمَّا جَآءَ بِهٖ عَنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اٰمَنُوْا بِمَا سَمِعُوْا مِنْهُ ، وَصَدَّقُوْهُ فَيَزِيْدُهُمْ ذٰلِكَ هُدًى مَعَ هِدَايَتِهِمْ وَاِيْمَانًا مَعَ اِيْمَانِهِمْ .)) [2]

''یعنی جب انہوں نے زبانِ نبوت سے وحی الٰہی کو سن لیا، تو سننے کے بعد (فوراً) اس پر ایمان لے آئے، اور اس کی تصدیق کر دی تو (اس کے نتیجے میں) اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کو ہدایت کے ساتھ اور ایمان کو ایمان کے ساتھ بڑھا دیا۔''

محترم قارئین کرام! علامہ علاء الدین خازن رحمہ اللہ کی اس وضاحت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ:

- حصولِ ہدایت کے لیے وحی الٰہی کی تصدیق کرنا انتہائی ضروری ہے۔ (جس میں حدیث رسول ﷺ بھی شامل ہے)
- حصولِ تقویٰ کے لیے ہدایت کا ہونا ضروری ہے۔
- ہدایت دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

سوال :...... یہاں پر ایک سوال ذہن میں اُبھرتا ہے کہ اگر ہدایت دینے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو نبی اکرم ﷺ کے ہادی ہونے کا کیا مطلب ہے؟

جواب :......اس سوال کا جواب تحریر کرنے سے پہلے ہادی کا معنیٰ تحریر کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

---

[1] تفسير القرآن العظيم، لابن كثير : ٤ / ١٧٧.

[2] تفسير الخازن : ٤ / ١٣٧.

ھادي :......یہ " ھَدٰی یَھْدِیْ " سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، اس کے لغوی معنی ہے: راہنمائی کرنا۔(المنجد عربی، اُردو) مادہ: (ھ، د، ی) ھدٰی .

کسی کو بھی راہنمائی کرنے کی دو صورتیں ہوتی ہیں:

۱۔ ارشاد الی المطلوب ۲۔ ایصال الی المطلوب

(ا)......ارشاد الی المطلوب: (منزلِ مقصود کی طرف رہنمائی کرنا)

گذشتہ تمام کے تمام انبیاء علیہم السلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہادی ہونے کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَهِدَايَةُ اللّٰهِ لِلْاِنْسَانِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَوْجُهٍ ....

اَلثَّانِیْ: اَلْهِدَايَةُ الَّتِیْ جُعِلَ لِلنَّاسِ بِدُعَآئِهٖ اِيَّاهُمْ عَلَى السُّنَّةِ الْاَنْبِيَاءِ وَاِنْزَالِ الْقُرْآنِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ وَهُوَ الْمَقْصُوْدُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا ......))

''اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی ہدایت چار صورتوں میں ہے:

(مذکورہ چار اقسام میں سے) دوسری قسم انبیاء علیہم السلام کی زبان کے ذریعے اور نزولِ قرآن کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف مدعو کرنے کے لیے، اور اس فرمانِ الٰہی سے بھی ہدایت والی آیت کریمہ: ﴿وَجَعَلْنَاهُمْ﴾ اور ہم نے انہیں صبر کرنے کی وجہ سے اپنے احکام کی طرف رہنمائی کرنے والا بنا دیا۔'' سے بھی یہی مراد ہے۔''

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ کی وضاحت سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نبی اور رسول کی ذمہ داری ہدایت دینا نہیں، بلکہ راہِ ہدایت کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴾ (النحل: ۳۷)

''اگر آپ ان کی ہدایت کی حرص رکھتے ہیں، تو اللہ جسے گمراہ کردے اس کو ہدایت نہیں دیتا، اور نہ ہی ان کا کوئی مددگار ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وَقَوْلُهٗ ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ﴾ اَیْ شَأْنُهٗ وَاَمْرُهٗ اَنَّهٗ مَا شَآءَ كَانَ ، وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ فَلِهٰذَا قَالَ: ﴿لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ﴾ اَیْ مَنْ اَضَلَّهٗ ، فَمَنْ ذَالَّذِيْ يَهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ؟ اَیْ لَا اَحَدٌ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ اَیْ يَنْقُذُوْنَهُمْ مِنْ عَذَابِهٖ وَوِثَاقِهٖ .)) [1]

''﴿فَإِنَّ اللّٰهَ﴾ یعنی اس کا معاملہ اور شان یہ ہے کہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا اسی لیے فرمایا ﴿لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ﴾ یعنی جسے وہ گمراہ کردے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، تو پھر کون ہے جو اللہ کے علاوہ ہدایت دے سکے؟ کوئی نہیں (اور نہیں کوئی ان کی مدد کرنے والا) یعنی ان کو اللہ کے عذاب اور پکڑ سے بچانے والا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی توضیح سے آیت کریمہ کا مفہوم بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ اور کوئی ابہام باقی نہیں رہتا کہ ہدایت عطا کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ذات ہے۔ مزید وضاحت کے لیے اس آیت کریمہ پر غور کیجیے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶﴾

(النحل: ٣٦)

''اور ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جس کا مقصد بعثت یہ ہے) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے اجتناب کرو، تو ان میں سے بعض کو اللہ نے ہدایت

[1] تفسیر القرآن العظیم: ٢/ ٥٦٩.

دی، اور بعض پر گمراہی ثابت ہوگئی۔ پس تم خود زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔''

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مزید لکھتے ہیں:

((ثُمَّ اَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى رَسُولَهٗ ﷺ اِنَّ حِرْصَهٗ عَلٰى هِدَايَتِهِمْ لَا يَنْفَعُهُمْ اِذَا كَانَ اللّٰهُ قَدْ اَرَادَ اِضْلَالَهُمْ .)) [1]

''اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خبردار فرمایا ہے کہ آپ کا ان کی ہدایت کی حرص رکھنا ان کے لیے فائدہ مند نہیں ہوسکتا، جب کہ اللہ تعالیٰ انھیں گمراہی پر (قائم) رکھنا چاہتا ہے۔''

ایک دوسرے مقام پر ربّ العالمین نے اس مسئلے کی وضاحت بایں الفاظ فرمائی ہے:

﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾ ﴾ (القصص : ٥٦)

''بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور ہدایت چاہنے والوں کو وہی خوب جانتا ہے۔''

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ سیّد مسیّب بن حزن مخزومی رضی اللہ عنہ سے بیان فرماتے ہیں کہ؛

''جب آپ کے چچا ابوطالب کی وفات کا وقت آیا، تو ان کے پاس رسولِ اکرم ﷺ تشریف لائے، جبکہ ابوطالب کے پاس ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن ابی، امیہ بن میسرہ کو پایا۔ نبی رحمت ﷺ نے (ابو طالب سے) کہا، چچا جان! اپنی زبان سے ''لا الہ الا اللہ'' کہہ دو، میں اللہ کے حضور اس کلمے کو آپ کے حق میں حجت بنا کر پیش کردوں گا، پاس بیٹھے ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ، ھادیٔ عالم ﷺ کی گفتگو سن کر ابوطالب سے کہنے لگے؛ ابو طالب! (مرتے وقت)

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۲/ ٥٦٩.

آباؤ اجداد کا دین چھوڑ دو گے؟ بہرحال رسولِ اکرم ﷺ ابوطالب کی وفات سے پہلے بار بار انھیں کلمۂ توحید کی دعوت دیتے رہے اور ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ انہیں آباء واجداد کے دین پر قائم رہنے کے لیے کہتے، اور کلمہ توحید پڑھنے سے اسے روکتے، یہاں تک کہ آخر کلمہ اس کی زبان سے یہی نکلا کہ میں یہ کلمہ نہیں پڑھتا اور میں عبدالمطلب کے دین پر مرنا چاہتا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ کہنے لگے: جب تک مجھے منع نہ کیا جائے گا، میں ابوطالب کے لیے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا۔

اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى﴾ (التوبۃ: ۱۱۳)

''کسی نبی اور اہل ایمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کسی مشرک کے لیے دعائے مغفرت کرے، اگرچہ وہ قریبی رشتہ دار ہی ہو۔''

جب کہ ابوطالب کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾

(القصص: ۵۶)

'' بے شک آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' [1]

مزید برآں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((يَقُوْلُ تَعَالٰى لِرَسُوْلِهِ ﷺ اِنَّكَ يَا مُحَمَّدُ! ﴿لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ اَيْ لَيْسَ عَلَيْكَ ذٰلِكَ ، إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَهُ الْحِكْمَةُ الْبَالِغَةُ وَالْحُجَّةُ الدَّامِغَةُ ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهِ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ وَقَالَ

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۳۹۴، ۳۹۵.

تَعَالٰی: ﴿وَمَا اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ وَهٰذِهِ الْاٰيَةُ اَخَصُّ مِنْ هٰذَا كُلِّهِ فَاِنَّهُ قَالَ: ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾ اَیْ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ يَّسْتَحِقُّ الْهِدَايَةَ مِمَّنْ يَّسْتَحِقُّ الْغَوَايَةَ .)) [1]

''اللہ تعالیٰ رسولِ اکرم ﷺ سے مخاطب ہے، اے محمد! (بے شک آپ جسے چاہتے ہو اسے ہدایت نہیں دے سکتے) یعنی آپ ﷺ کی ذمہ داری ہدایت دینا نہیں، بلکہ تبلیغ کرنا ہے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے، اور اس کے لیے بلیغ حکمت اور حجت قطعیہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''ان لوگوں کی ہدایت آپ کے ذمے نہیں، لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' اور ارشاد ہے: ''آپ ﷺ کے حرص رکھنے کے باوجود اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور یہ آیت ﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ﴾ ان تمام آیات سے خصوصیت کی حامل ہے۔ اس میں ارشاد ہے: ''جسے آپ چاہتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور وہ ہدایت حاصل کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی وہ بہتر جانتا ہے کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون سرکشی (اور گمراہی) کا حقدار؟''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے کلام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ:

1: نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری (ایصال الی المطلوب) راہِ ہدایت پر گامزن کرنا نہیں، بلکہ (ارشاد الی المطلوب) صراطِ مستقیم کی تبلیغ کرنا ہے۔

2: (ایصال الی المطلوب) راہ ہدایت پر گامزن کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

3: اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔

4: اللہ تعالیٰ کا یہ قانون (جسے چاہنا ہدایت دینا، اور جسے چاہنا گمراہ کرنا) بالکل انصاف پر

---

[1] تفسير ابن كثير: ٣/ ٣٩٤.

مبنی ہے، کیوں کہ اللہ ربّ العزت انسان کی حالت و کیفیت کو خوب اچھی طرح سمجھنے والا، اور عالم الغیب ہے۔ واللہ اعلم!

خلاصۂ کلام:

- حصولِ ہدایت کے لیے دل میں اللہ کا ڈر اور خوف لازمی جزو ہے، جس کے بغیر حصولِ ہدایت مشکل، بلکہ ناممکن دکھائی دیتی ہے۔
- ہدایت کی توفیق دینا اور نہ دینا اللہ کے اختیار میں ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے اختیار میں نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

10۔قربانی:

دورِ جاہلیت میں مشرکین مکہ جب اپنے بتوں کے نام سے جانور ذبح کرتے، تو اس کا گوشت ان بتوں پر ڈال دیا کرتے، اور ان پر اس کا خون چھڑکتے۔ اللہ عظیم و برتر نے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے نام سے ہدی یا قربانی کا جانور اس لیے قربان کرتے ہو کہ وہ تمہارا خالق و رازق ہے، اس کا خون اور گوشت اللہ کو قطعی نہیں پہنچتا، کیونکہ وہ تو ہر چیز سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، اور وہ تو تمہاری نیت، تمہارے اخلاص اور تقویٰ کو دیکھتا ہے کہ کیا تم نے اس کی رضا اور خوشنودی کی خاطر یہ کام کیا ہے؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَ لَا دِمَآؤُهَا وَ لٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ﴾

(الحج: ۳۷)

’’اللہ کو نہ تو ان ذبح کیے گئے جانوروں کا گوشت پہنچتا ہے، اور نہ ان کا خون، لیکن اسے تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے۔

قربانی کا معنی:

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ قربانی کا معنی لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

((وَالْقُرْبَانُ: مَا يُتَقَرَّبُ بِهٖ إِلَى اللّٰهِ مَصَارٌ فِيْ التَّعَارُفِ اِسْمًا لِلنَّسِيْكَةِ الَّتِيْ هِيَ الذَّبِيْحَةُ وَجَمْعُهُ، قَرَابِيْنٌ .))

''ہر وہ عمل جو حصولِ قرب الٰہی کے لیے کیا جائے قربانی ہے۔ لیکن عرف عام میں کسی جانور کو ذبح کرنے کا نام قربانی ہے۔ اس کی جمع (قرابین) ہے۔

قربانی کا مقصد:

جیسا کہ معنوی اعتبار سے بھی ظاہر ہے کہ ایسا عمل جو حصولِ قرب الٰہی کے لیے کیا جائے وہ قربانی ہے۔ قرآن نے قربانی کے مقصد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾

(الحج: ۳۷)

'' اللہ کو ان قربانیوں کے نہ تو گوشت پہنچتے ہیں، اور نہ ہی خون، بلکہ اسے تو تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارا مطیع و فرمانبردار کر دیا ہے۔ تاکہ تم اس کی رہنمائی کا شکر بجالاتے ہوئے تکبیر پڑھو، اور اے نبی! نیک لوگوں کو خوشخبری سنا دیجیے۔''

علامہ آلوسی رحمہ اللہ ''امام مجاہد رحمہ اللہ'' کا قول نقل کرتے ہیں کہ؛

'' مسلمانوں نے بھی مشرکین کے اس فعل کی تقلید کرتے ہوئے تعظیم کعبہ اور قربِ الٰہی کے حصول کی خاطر یہی (مشرکین والا) عمل کرنے کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔'' [1]

مزید لکھتے ہیں:

((﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا﴾ اَیْ لَنْ یُصِیْبَ رِضَا اللّٰهِ تَعَالٰی اللُّحُوْمُ الْمُتَصَدَّقُ بِهَا وَلَا الدِّمَاءُ الْمُهْرَاقَةُ بِالنَّحْرِ مِنْ حَیْثُ اَنَّهَا لُحُوْمٌ وَدِمَاءٌ. ﴿وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ وَلٰكِنْ یُصِیْبُهُ مَا یَصْحَبُ ذٰلِكَ مِنْ تَقْوٰی قُلُوْبِكُمُ الَّتِیْ تَدْعُوْكُمْ اِلٰی تَعْظِیْمِهٖ وَالتَّقَرُّبِ لَهٗ سُبْحَانَهٗ وَالْاِخْلَاصُ لَهٗ عَزَّ وَجَلَّ.)) [2]

[1] روح المعانی: ۱۵۸/۱۷. [2] روح المعانی: ۱۵۸/۱۷.

''(اللہ تعالیٰ کو ان کی قربانیوں کے نہ تو گوشت پہنچتے ہیں، اور نہ ہی خون) یعنی رضائے الٰہی فقط صدقہ دیئے گئے گوشت اور بہائے گئے خون سے حاصل نہیں ہوتی، کیوں کہ یہ تو گوشت اور خون ہے (لیکن اس کو تمہاری طرف سے تقویٰ پہنچتا ہے) یعنی اسے ان کے ساتھ شامل تمہارے دلوں کا تقویٰ پہنچتا ہے، جو تمھیں اس کی تعظیم و تقرب اور اخلاص کی دعوت دیتے ہیں۔''

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ زکوۃ اور صدقہ و خیرات قربانی وغیرہ اس وقت تک درجۂ قبولیت کو نہیں پہنچتی، جب تک اس میں تقویٰ اور خوفِ الٰہی شامل نہ کیا جائے۔

11۔ فرضیت تقویٰ کو پیش نظر رکھنا:

جس طرح ربّ العالمین نے قرآنِ حکیم میں متعدد آیاتِ کریمہ میں اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایسے ہی نبی کریم ﷺ نے بھی کئی احادیث میں تقویٰ کی فرضیت بیان فرمائی ہے۔ اس بات کو سمجھنا اور یاد رکھنا ایمان دار شخص کو متقی بنانے میں انتہائی اہم کردار ادا کرے گا، کیوں کہ بندۂ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کے حکم کی فوری تعمیل کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ ربّ العالمین نے اہل ایمان کے بارے میں خود فرمایا ہے:

﴿وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۟﴾ (الأحزاب : ٣٦)

''اللہ اور اس کے رسول کے کسی بات کا فیصلہ کرنے کے بعد کسی ایماندار مرد اور ایمان والی عورت کے لیے کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔''

12۔ فوائد تقویٰ کو پیش نظر رکھنا:

انسان کی فطرت ہے کہ جس طرح وہ، مفید چیز کو پسند کرتا ہے، اور اس کے حصول کی

طرف راغب ہوتا ہے۔اسی طرح تکلیف دہ چیز کو ناپسند کرتا، اور اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے،تقویٰ کے دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والے کتنے ہی فوائد وثمرات ہیں۔

اگر تقویٰ کے یہ سب فوائد وثمرات انسان کی نگاہوں کے سامنے رہیں تو وہ کیوں کر تقویٰ سے منہ موڑ کر کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہوگا؟

تو جو شخص تقویٰ کے فوائد وثمرات کو جاننا، سمجھنا اور یاد رکھنا چاہے وہ کثرت اور توجہ سے قرآن وسنت کا مطالعہ جاری رکھے، کیونکہ ان دونوں میں اس بارے میں بہت مواد موجود ہے۔

13۔تقدیر پر ایمان رکھنا:

انسان کو متقی بنانے والی باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے، کہ وہ تقدیر پر ایمان لائے۔سیّدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اسی بات کی بوقت موت اپنے بیٹے کو وصیت فرمائی۔ امام ترمذی نے عطاء رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے بیان کیا:

''میری ملاقات صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیّدنا عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ولید سے ہوئی،تو میں نے ان سے پوچھا:

''آپ کے والد کی موت کے وقت کیا وصیت تھی؟''

انہوں نے جواب دیا:

''میرے والد گرامی نے مجھے بلایا اور فرمایا:

((يَا بُنَيَّ! اتَّقِ اللّٰهَ! وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَنْ تَتَّقِيَ اللّٰهَ حَتَّى تُوْمِنَ بِاللّٰهِ، وتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ كُلِّهِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ.)) [1]

''اے میرے چھوٹے بیٹے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے بغیر اور تقدیر پر خواہ وہ اچھی ہو یا بری متقی نہیں بن سکتے۔''

---

[1] سنن ترمذی، ابواب القدر، رقم: ۲۱۵۵۔ سلسلة الصحيحة، رقم: ۱۳۳.

14۔مشکوک چیزوں کوترک کرنا:

تقویٰ تک پہنچانے والے اُمور میں سے ایک یہ ہے، کہ بندہ شک وشبہ والی چیز سے دور ہو جائے۔سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

((لَا يَبْلُغُ الْعَبْدُ حَقِيقَةَ التَّقْوَى حَتَّى يَدَعَ مَاحَاكَ فِي الصَّدْرِ)) [1]

''بندہ تقویٰ کی حقیقت کو اس وقت تک نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ وہ سینے میں کھٹکنے والی چیز کو نہ چھوڑ دے۔''

15۔عدل وانصاف کرنا:

رب العالمین نے عدل کو بھی باعث تقویٰ قرار دیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸﴾

(المائدہ: ۸)

''عدل کیا کرو، وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، بے شک اللہ اس سے جو تم کرتے ہو پوری طرح باخبر ہے۔''

شیخ سعدی اپنی تفسیر میں تحریر کرتے ہیں:

''تم جس قدر عدل کرنے کی حرص کرو گے، اور اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کرو گے، تمہارے دل تقویٰ کے اسی قدر زیادہ قریب ہوں گے، عدل کے مکمل ہونے پر تقویٰ بھی کامل ہو جائے گا۔''

16۔عبادت کرنا:

اللہ عزوجل نے اپنی عبادت کو تقویٰ کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱﴾ (البقرۃ: ۲۱)

[1] صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب قول النبي ﷺ: "بُنِيَ الإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ" مُعَلَّقاً

''اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تمہارے پہلے لوگوں کو پیدا فرمایا، تا کہ تم متقی بن جاؤ۔''

شیخ سعدی اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''ارشادِ باری تعالیٰ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾: میں اس بات کا احتمال ہے، کہ معنی یہ ہو: ''بلاشبہ تم جب صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے، تو اس کی وجہ سے ان کی ناراضی اور عذاب سے بچ جاؤ گے، کیونکہ تم نے اس سے بچاؤ کا سبب اختیار کیا ہے۔''

اور اس معنی کا احتمال بھی موجود ہے، کہ: ''جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے، تو تم تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ ہو کر متقیوں میں شامل ہو جاؤ گے۔''

بہرحال دونوں معانی درست ہیں، اور وہ ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں، کیونکہ صحیح معنوں میں عبادت کرنے والا متقیوں میں سے ہو جاتا ہے، اور جو کوئی متقیوں میں سے ہو گیا، اس کو اللہ تعالیٰ کے عذاب اور ناراضی سے نجات میسر آ جاتی ہے۔'' (تفسیر السعدی، ص: ۲۸)

17۔ اہل تقویٰ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھنا:

عام طور پر عمل کا اثر بات سے زیادہ ہوتا ہے۔ تو جو شخص اہل تقویٰ کے مقدس گروہ میں شامل ہونا چاہے، وہ اہل تقویٰ کی مبارک سیرتوں کا مسلسل مطالعہ اور تذکرہ کرتا رہے، اور انہیں اپنی نگاہوں کے سامنے رکھے، اور ساری کائنات کے متقیوں کے امام ہمارے نبی کریم ﷺ، پھر دیگر انبیاء علیہم السلام، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی سیرتوں کو پیش نظر رکھے۔

رحمت الٰہی سے اُمید واثق ہے، کہ اس عمل سے انسان کے دل میں راہ تقویٰ پر آنے کے لیے جذبہ صادقہ موجزن ہو گا، اور اس بارے میں ذوق و شوق میں اضافہ ہو گا۔

18۔ سبیل اللہ کی اتباع اور دیگر راہوں کو ترک کرنا:

رب العالمین کے اٹل اور قطعی ضابطوں میں سے ایک یہ ہے، کہ جو شخص اس کی راہ کی

اتباع کرے اور دیگر راہوں کو چھوڑ دے، وہ اس کو متقی لوگوں میں شامل ہونے کی سعادت سے بہرہ ورفرمادے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٥٣﴾﴾

(الانعام: ۱۵۳)

''اور بلاشبہ یہ میری سیدھی راہ ہے، سو اس پر چلو، اور دوسری راہوں پر مت چلو، وہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی۔ اس بات کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے، تاکہ تم متقی بن جاؤ۔''

''سبیل اللہ'' کی اتباع میں اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسول ﷺ بھی آ جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۖ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی، پس تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اس لیے قرار دیا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ وحی الٰہی کے بغیر تکلم نہیں فرمایا کرتے تھے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾﴾ (النجم: ۳۔۴)

''اور وہ اپنی خواہش نفس کی پیروی میں بات نہیں کرتے ہیں۔ وہ تو وحی ہوتی ہے جو اُن پر اتاری جاتی ہے۔''

باب نمبر:4

تقویٰ کے فوائد وثمرات

گذشتہ صفحات میں ہم تقویٰ کے معنی، مفہوم اور اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بیان کر آئے ہیں۔

آئندہ سطور میں ہم تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہونے والی خیر و برکات کے بارے میں بیان کریں گے۔

چونکہ تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں نازل ہونے والی برکات کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے، لہٰذا ہم اپنی اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1: دنیا میں تقویٰ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے فوائد وثمرات۔

2: آخرت میں حاصل ہونے والے فوائد وثمرات۔

(1) دنیا میں تقویٰ کے فوائد وثمرات:

پہلا فائدہ:......معاملات میں آسانی:

تقویٰ سے حاصل ہونے والی برکات میں سے ایک عظیم برکت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت متقی شخص کے لیے معاملات میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝٤﴾ (الطّلا ق : ٤)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے اس کے معاملات میں آسانی پیدا فرما دے گا۔“

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر بایں الفاظ فرماتے ہیں:

((قَالَ عَطَاءٌ: يَسْهَلُ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَمْرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ .)) [1]

'' عطاء نے کہا کہ؛ اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے معاملات کو آسان فرمادیں گے۔''

بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہ بھی کہا ہے کہ نیکی کے عمل کرنا اور برائی سے بچنا آسان ہوجاتا ہے۔

دوسرا فائدہ:......دشمنوں کی کارستانیوں سے نجات:

اہل تقویٰ کے لیے انعاماتِ الٰہی میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کو متقین کے لیے دشمنوں کی گھناؤنی چالوں اور سازشوں سے بچنے کے لیے آلۂ کار بتلایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۟﴾ (آل عمران : ۱۲۰)

'' اور اگرتم صبر کرو، اور تقویٰ اختیار کرو تو ان (دشمنوں) کی کوئی چال تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ بے شک اللہ ان کے اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے۔''

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

((مَعْنَى الآيَةِ: اِنَّ كُلَّ مَنْ صَبَرَ عَلٰى اَدَاءِ اَوَامِرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاتَّقٰى كُلَّ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ فِىْ حِفْظِ اللّٰهِ فَلَا يَضُرُّهُ كَيْدُ الْكَافِرِيْنَ وَلَا حِيَلُ الْمُحْتَالِيْنَ .

وَتَحْقِيْقُ الْكَلَامِ فِىْ ذٰلِكَ هُوَ اَنَّهُ سُبْحَانَهٗ اِنَّمَا خَلَقَ الْخَلْقَ لِلْعُبُوْدِيَّةِ كَمَا قَالَ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ﴾

[1] تفسیر الکبیر، للرازی: ۳۰/ ۳۶.

فَمَن وَفّٰی بِعَهْدِ الْعُبُوْدِيَّة فِیْ ذٰلِكَ فَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَكْرَامُ مِنْ اَنْ لَّا يَعْنِیْ بِعَهْدِ الرَّبُوْبِيَّةِ فِیْ حِفْظِهٖ عَنِ الآفَاتِ وَالْمَخَافَاتِ ، وَاِلَيْهِ الْاِشَارَةُ بِقَوْلِهٖ تَعَالٰی ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ اِشَارَةٌ اِلٰی اَنَّهٗ يُوْصِلُ اِلَيْهِ كُلَّ مَا يَسُرُّهٗ ، وَقَالَ بَعْضُ الْحُكَمَآءِ: إِذَا اَرَدْتَّ اَنْ تَكْبِتَ مَنْ يَّحْسُدُنَا فَاجْتَهِدْ فِیْ اِكْتِسَابِ الْفَضَائِلِ .)) [1]

'' مذکورہ بالا آیت کا معنی ہے کہ ہر وہ آدمی جو احکامِ الٰہی کی ادائیگی میں صبر کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی ہر چیز سے دور رہتا ہے، وہ اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے (جس کے نتیجے میں) کافروں کی کوئی چال اور حیلہ سازوں کا کوئی حیلہ اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور حقیقی بات یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: (میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اور صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے)، پس جو شخص عبادت و بندگی والے عہد کو پورا کرتا ہے، تو ربّ العالمین کی شان کے لائق نہیں کہ وہ ربّ ہونے کے ناطے ایسا کرنے والے کو آفات اور خوفنا کیوں سے محفوظ نہ فرمائے۔ اس فرمانِ الٰہی؛ ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا o وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾...... '' اور جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی کوئی راہ نکال دیتا ہے، اور اسے ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔'' میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ربّ العزت (اپنے بندے کو) ہر وہ چیز عطا فرماتا ہے جو اس کے لیے خوش کن ہو۔ اور کسی '' دانا'' کا قول ہے کہ جب حاسد (مخالف) کو زیر کرنا ہو، تو

---

[1] تفسیر الکبیر، للرازی: ۲۰۳/۸.

اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ یعنی اس کے حسد پر صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے نظر انداز کردو۔''

علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

((وَاِنْ تَصْبِرُوْا عَلَى تَكَالِيْفِ الدِّيْنِ وَمَشَاقِّهِ ، وَتَتَّقُوْا اللّٰهَ فِىْ اِجْتِنَابِكُمْ مَحَارِمَهُ كُنْتُمْ فِىْ كَنَفِ اللّٰهِ فَلَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ)) ❶

''اور اگر تم دینی معاملات میں آنے والی سختیوں اور تکلیفوں پر صبر کرو گے۔ اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں سے پرہیز کرو گے۔ تو تم اللہ کی حفاظت میں آ جاؤ گے، جس کے نتیجے میں تمہارے دشمنوں کی کوئی چال تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔''

مزید لکھتے ہیں:

((وَهَذَا تَعْلِيْمٌ مِّنَ اللّٰهِ ، وَاِرْشَادٌ اِلٰى اَنْ يُّسْتَعَانَ عَلٰى كَيْدِ الْعَدُّوِ بِالصَّبْرِ وَالتَّقْوٰى .))❷

''یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس بات کی طرف تعلیم اور رہنمائی ہے کہ دشمن کی چالوں سے بچنے کے لیے صبر اور تقویٰ کے ساتھ مدد طلب کی جائے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

((﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ الآيَةَ۔ يُرْشِدُهُمْ تَعَالٰى اِلَى السَّلَامَةِ مِنْ شَرِّ الْاَشْرَارِ ، وَكَيْدِ الْفُجَّارِ بِاسْتِعْمَالِ الصَّبْرِ ، وَالتَّقْوٰى ، وَالتَّوَكُّلِ عَلَى اللّٰهِ الَّذِىْ مُحِيْطٌ بِاَعْدَاءِ هِمْ فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ لَهُمْ اِلَّا بِهٖ . وَهُوَ الَّذِىْ مَا شَآءَ كَانَ وَمَا لَمْ

❶ تفسير الكشاف: ۱/ ۳٤٦.

❷ تفسير الكشاف ، للزمخشرى: ۱/ ۳٤٦.

يَشَـاْ لَـمْ يَكُنْ ، وَلَا يَقَعُ فِي الْوُجُوْدِ شَيْءٌ اِلَّا بِتَقْدِيْرِهٖ وَمَشِيْئَتِهٖ وَمَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ .)) ❶

''(اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو گے، تو تمھیں ان کی کوئی حیلہ سازی نقصان نہیں پہنچا سکے گی) اس آیت میں اللہ تعالیٰ (صبر اور تقویٰ اختیار کرنے والوں کو) شریروں کے شر اور فاجروں کی حیلہ بازیوں سے، صبر، تقویٰ اور اللہ ربّ العزت پر توکل کر کے، حفاظت کے راستے بتا رہا ہے (وہ اللہ) جو ان کے دشمنوں کا احاطہ کرنے والا ہے، جس کے بغیر ان کا کوئی حیلہ اور طاقت نہیں ہے (اور اللہ) وہ ذات ہے کہ وہ جو چاہتا ہے، ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا، نہیں ہوتا، جس کی منشاء اور مرضی کے بغیر دنیا میں واقعہ رونما نہیں ہوتا، جو اس پر توکل کرتا ہے وہ اس کو کافی ہو جاتا ہے۔''

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کے معنی کو یوں واضح فرماتے ہیں:

((﴿لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا﴾ مِنَ الضَّرَرِ لَا كَثِيْرًا وَلَا قَلِيْلًا بِبَرْكَةِ الصَّبْرِ وَالتَّقْوٰى لِكَوْنِهِمَا مِنْ مَحَاسِنِ الطَّاعَاتِ وَمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ ، وَمَنْ تَحَلّٰى بِذَالِكَ كَانَ فِيْ كَنَفِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحِمَايَتِهٖ مِنْ اَنْ يَّضُرَّهٗ كَيْدُ عَدُوٍّ .))

''اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ صبر اور تقویٰ کی برکت سے وہ تمھیں نہ تو کم نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور نہ زیادہ، کیوں کہ یہ بہترین اطاعت گزاری، اور اچھے اخلاق میں سے ہے۔ اور جو اپنے آپ کو ان دونوں چیزوں (صبر و تقویٰ) سے مزین و آراستہ کر لیتا ہے، تو وہ دشمن کی چالوں سے اللہ کی حفظ و امان میں آ جاتا ہے جو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔'' ❷

---

❶ تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۳۹۹.
❷ تفسیر روح المعانی: ٤/ ١٤١.

قارئین کرام غور کیجیے! اللہ ربّ العزت ہم سے دو چیزوں کا مطالبہ کرکے اس کے نتیجے میں کس قدر قیمتی انعام کا وعدہ کر رہا ہے، لیکن ہم ہیں کہ قرآن کو پڑھتے ہی نہیں، اگر پڑھیں بھی تو اسے سمجھ کر نہیں پڑھتے، اور اگر اس کے معانی ومفاہیم کو سمجھ بھی لیں تو ہمارے دماغوں پر جدت پسندی کا بھوت سوار ہوجاتا ہے، اور اللہ ربّ العزت کے کیے ہوئے وعدوں کو ہم افسانوں سے تعبیر کرتے ہوئے نظرانداز کردیتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں ہم اللہ ربّ العالمین کی صدق بیانی کو چیلنج کررہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ (النسآء: ۸۷)

''اور اللہ سے زیادہ سچی بات کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟''

دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ (النسآء: ۱۲۲)

''اور اللہ سے زیادہ سچی بات کس کی ہوسکتی ہے؟''

ربّ العالمین سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حقیقی معنوں میں قرآنِ حکیم اور سنت مطہرہ پر ایمان لانے کی توفیق عنایت فرمائے۔

تیسرا فائدہ:......ایسی جگہ سے رزق کا ملنا جس کا انسان کو وہم وگمان بھی نہ ہو۔

اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے سے انسان کو رزق وہاں سے ملنے لگ جاتا ہے کہ جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

(الطلاق: ۲۔۳)

''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لیے راستہ پیدا کردیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔''

چوتھا فائدہ:......غم والم سے نجات کا ملنا:

تقویٰ اختیار کرنے کے فوائد وثمرات میں سے ایک عظیم فائدہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت متقین کو پہنچنے والے مصائب و آلام سے نکلنے کی کوئی راہ نکال دیتا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ (الطلاق : ۳)

''اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ اس کے لیے راہ نجات نکال دیتا ہے۔''

علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو آدمی کوئی بھی کام کرے یا کسی بھی کام سے اللہ سے ڈرتے ہوئے رکا رہے، اللہ تعالیٰ (تقویٰ کو) اس کے لیے دنیا، اور آخرت کے غموں سے نکلنے کا ذریعہ بنادے گا، اور فائدہ عام ہونے کی نسبت سے یہی معنی زیادہ بہتر ہے۔'' [1]

یہاں پر موضوع کی مناسبت سے عین قرین قیاس ہوگا کہ ایک واقعہ سپردِ قرطاس کر دیا جائے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رونما ہوا تھا۔

''سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا، میرا خیال ہے کہ وہ سیّدنا عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ آپ سے ہم کلام ہوئے، اور کہنے لگے: اے اللہ کے رسول! فلاں قبیلے کے لوگوں نے اس رات ہم پر حملہ کیا ہے، جس میں وہ میرے بیٹے اور اونٹوں کو لے گئے ہیں، اور سیّدنا عوف رضی اللہ عنہ یہ بات بتلا کر رونے لگے۔ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے دعا کرو (امید ہے کہ کوئی راہ نکل آئے)۔ (چنانچہ سیدنا عوف بن

[1] تفسیر روح المعانی: ۲۸/ ۱۳۵.

مالک رضی اللہ عنہ) اپنی بیوی کے پاس آئے تو اُنہوں نے آپ سے پوچھا کہ بتاؤ اللہ کے نبی ﷺ نے کیا مشورہ دیا ہے؟ تو انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو بیان فرمادی۔ چنانچہ وہ دعا کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ نے ان کے بیٹے کو اور ان کے اونٹوں سے زیادہ اونٹوں کو لوٹا دیا تو (وہ خوشی سے) نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے، اور سارا قصہ کہہ سنایا، تو آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے، اور حمد وثناء کے بعد لوگوں کو اللہ سے دعا کرنے اور اس کی طرف راغب ہونے کی تلقین کی، اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ ''[1]

پانچواں فائدہ:...... برکات کا نزول:

تقویٰ اختیار کرنے کا ایک عظیم فائدہ ربّ العالمین کی جانب سے نزول برکات بھی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾

(الاعراف: ۹۶)

'' اور بے شک اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو ضرور ہم ان پر آسمان و زمین سے برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے، لیکن انھوں نے جھٹلایا، پس ہم نے ان کے (برے) اعمال کی وجہ سے ان کو پکڑا۔''

اس آیت کریمہ میں ربّ العالمین تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں ہر جانب سے

[1] مستدرك حاكم: ۲/ ۲۳۸، رقم! ۲۰۳۷۔ امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث "صحيح الاسناد" ہے۔ سنن ابن ماجة، رقم: ٤١٤٨۔ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کی سند کے راوی ثقات ہیں۔ مزید دیکھیں: دلائل النبوة، للبيهقى ٦/ ١٠٦۔ الدر المنثور، للسيوطى ٦/ ٢٣٣ ـ ٢٣٤.

نزولِ برکات کا وعدہ فرما رہا ہے۔

چھٹا فائدہ:......اصلاحِ اعمال:

تقویٰ کے فوائدِ عظیمہ میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ ربّ العزت صاحب تقویٰ انسان کے اعمال کی اصلاح فرما دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا ٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝٧٠ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝٧١ ﴾ (الاحزاب: ۷۰۔۷۱)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ، اور سیدھی بات کرو (اس کے نتیجے میں) اللہ ربّ العزت تمہارے اعمال کی اصلاح فرما دے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے، اس نے حقیقت میں بڑی کامیابی کو پالیا۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ ان آیات کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:

''اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اس کا تقویٰ اختیار کریں، اور اللہ کی ایسے آدمی کی مانند عبادت کریں جو (دورانِ عبادت) گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہو، اور ایسی سیدھی اور درست بات کہیں، جس میں کوئی کج روی اور انحراف نہ ہو۔ اور ایسا کرنے کی صورت میں ان کو ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے، جس کے نتیجے میں وہ ان کے اعمال کی اصلاح فرما دے گا، اور مستقبل میں ہونے والے گناہوں سے توبہ کرنے کی طرف راغب فرما دے گا۔'' [1]

چنانچہ علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

((وَقِيْلَ اِصْلَاحُ الْاَعْمَالِ اَلتَّوْفِيْقُ فِيْ الْمَجِيءِ بِهَا صَالِحَةً

---

[1] تفسیر ابن کثیر: ۳/ ۵۳۷.

مَرْضِيَّةٌ.))❶

''اصلاحِ اعمال سے مراد یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت آئندہ صالح پسندیدہ اعمال کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔''

مندرجہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے، تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں ربّ العالمین انسان کو اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ اور جس خوش قسمت کو اللہ ربّ العالمین کی طرف سے اعمالِ صالحہ کی توفیق مل جائے، اس سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہوسکتا ہے؟

ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''جو شخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال قبول کرتا ہے۔ گویا تقویٰ اختیار کرنے کا فائدہ یہ بھی ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمالِ صالحہ کو شرفِ قبولیت بخش دیتا ہے۔

ساتواں فائدہ:......حق و باطل میں تمیز:

تقویٰ اختیار کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ ربّ العزت انسان کو حق اور باطل میں فرق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَتَّقُواْ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّـَٔاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ ذُو ٱلْفَضْلِ ٱلْعَظِيمِ ﴿٢٩﴾ ﴾

(الأنفال: ٢٩)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمھیں فیصلہ کرنے کی بصیرت عطا فرمائے گا، اور تمہاری خطاؤں کو مٹا کر تمھیں معاف فرما دے گا اور اللہ بہت فضل والا ہے۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((فَـإِنَّ مَنِ اتَّقَى اللّٰهَ بِفِعْلِ اَوَامِرِهٖ وَتَرْكِ زَوَاجِرِهٖ وُفِّقَ لِمَعْرِفَةِ

❶ روح المعاني: ٢٢/٩٥.

الْحَقِّ مِنَ الْبَاطِلِ .)) [1]

”جو شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے احکام کو بجا لائے گا، اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں کو ترک کر دے گا۔ اس کو اللہ ربّ العزت حق و باطل کے پہچاننے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے۔“

امام فخر الدین الرازی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے تحت لکھتے ہیں:

((قَوْلُهٗ ﴿وَيَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ وَالْمَعْنٰى اَنَّهٗ تَعَالٰى يُفَرِّقُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الْكُفَّارِ ، وَلَمَّا كَانَ اللَّفْظُ مُطْلَقًا وَجَبَ حَمْلُهٗ عَلٰى جَمِيْعِ الْفُرُوْقِ الحَاصِلَةِ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْكُفَّارِ ، فَنَقُوْلُ: هٰذَا الْفُرْقَانُ اِمَّا اَنْ يُّعْتَبَرَ فِيْ اَحْوَالِ الدُّنْيَا وَفِيْ اَحْوَالِ الآخِرَةِ ، اِمَّا فِيْ اَحْوَالِ الدُّنْيَا فَاِمَّا اَنْ يُّعْتَبَرَ فِيْ اَحْوَالِ الْقُلُوْبِ وَهِيَ الْاَحْوَالُ الْبَاطِنِيَّةُ اَوْ فِيْ الْاَحْوَالِ الظَّاهِرَةِ ، اِمَّا فِيْ اَحْوَالِ الْقُلُوْبِ فَاُمُوْرٌ .

اَحَدُهَا: اَنَّهٗ تَعَالٰى يَخُصُّ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْهِدَايَةِ وَالْمَعْرِفَةِ .

وَثَانِيهَا: اَنَّهٗ يَخُصُّ قُلُوْبَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ بِالْاِنْشِرَاحِ كَمَا قَالَ: ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾

وَثَالِثُهَا: اَنَّهٗ يُزِيْلُ الْغِلَّ وَالْحِقْدَ وَالْحَسَدَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ ، وَيُزِيْلُ الْمَكْرَ وَالْخِدَاعَ عَنْ صُدُوْرِهِمْ ، مَعَ اَنَّ الْمُنَافِقَ وَالْكَافِرَ يَكُوْنُ قَلْبُهٗ مَمْلُوْءً مِنْ هٰذِهِ الْاَحْوَالِ الْخَسْلِيَّةِ الْخُلُوْقِ الذَّمِيْمَةِ .

وَالسَّبَبُ فِيْ حُصُوْلِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ اَنَّ الْقَلْبَ اِذَا صَارَ مُشْرِقًا

---

[1] المصباح المنیر فی تهذیب تفسیر ابن کثیر، ص: ٥٣٥، طبع دار السلام، الریاض.

بِطَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالیٰ زَالَتْ عَنْهُ کُلُّ هَذِهِ الظُّلُمَاتِ لِاَنَّ مَعْرِفَةَ اللّٰهِ نُوْرٌ، وَهٰذِهِ الْاَخْلَاقُ ظُلُمَاتٌ وَاِذَا ظَهَرَ النُّوْرُ فَلَا بُدَّ مِنْ زَوَالِ الظُّلْمَةِ .

وَاَمَّا فِی الْاَحْوَالِ الظَّاهِرَةِ فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ یَخُصُّ الْمُسْلِمِیْنَ بِالْعُلُوِّ وَالْفَتْحِ وَالنَّصْرِ وَالظُّفْرِ ، کَمَا قَالَ تَعَالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ وکَمَا قَالَ: ﴿لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ﴾ وَاَمْرُ الْفَاسِقِ وَالْکَافِرِ بِالْعَکْسِ مِنْ ذٰلِكَ .)) [1]

''﴿وَیَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور کفار کے درمیان فرق واضح فرما دے گا۔

مطلق لفظ ہونے کی بناء پر اسے مومنین و کفار کے درمیان ہر قسم کے فرق پر محمول کرنا واجب ہے۔ لہٰذا یہ فرق یا تو دنیاوی احوال کے اعتبار سے ہوگا یا اُخروی احوال کے اعتبار سے۔

دنیاوی اعتبار سے پھر احوال قلوب (دلوں) کے باطنی (حالات) کے اعتبار سے ہوگا، یا ظاہر احوال کے اعتبار سے۔

1: احوال قلوب (دلوں کے باطنی حالات) کے اعتبار سے یہ فرق کئی طرح سے ہوسکتا ہے۔

2: دلوں اور سینوں کو کشادہ کرنے میں مومنین کی تخصیص جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾

''کیا پس جس شخص کے سینے کو اللہ ربّ العزت نے اسلام کے لیے کشادہ فرما دیا ہے، پس وہ اپنے رب کے نور پر ہے۔''

3: اللہ ربّ العزت ان کے سینوں سے دھوکہ اور حسد و بغض کو نکال دیتا ہے، اور مکر و

---

[1] تفسیر کبیر، للرازی: ۱۵/۱۵۳، ۱۵٤.

فریب کو ان کے سینوں سے زائل فرما دیتا ہے۔
جب کہ منافق و کافر کا دل ان تمام بری چیزوں سے بھرا ہوتا اور مذموم عادات سے اٹا ہوا ہوتا ہے۔
اور ان تمام چیزوں کے حصول کا سبب یہ ہے کہ جب دل اطاعت الٰہی میں مشغول ہوجاتا ہے، تو اس کے نتیجے میں یہ سارے کے سارے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، کیوں کہ ربّ العالمین کو پہچان لینا نور ہے۔ جب کہ یہ مذموم عادات اندھیرے ہیں۔ اور نور کے ظاہر ہونے کی صورت میں اندھیروں کا چھٹ جانا لازمی چیز ہے۔
اور ظاہری اعتبار سے فرق یہ ہے کہ رب العالمین نے کامیابی، نصرت، غلبہ اور فتح کو مومنین کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ﴾ ...... ''غلبہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے ہے۔''
ایسے ہی ارشاد ہے: ﴿لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ﴾ ...... ''تاکہ وہ اس کو تمام ادیان پر غالب فرمادے۔'' جب کہ کافر و فاسق کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔''

امام رازی رحمہ اللہ کی مفصل کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرنے کی صورت میں ربّ العالمین مومنین کو ہر اعتبار سے کفار اور اہل باطل سے ممیّز اور ممتاز فرما دیتا ہے، اور مومنین کے اندر کفار اور اہل باطل سے ہر ممکنہ فرق واضح نظر آئے گا۔

ڈاکٹر لقمان سلفی حفظہ اللہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
''اہل ایمان کو بشارت دی گئی ہے کہ اگر وہ مال اور اولاد کی وجہ سے گناہوں کا ارتکاب نہیں کریں گے، اور اپنی زندگی میں اللہ کے اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کریں گے، تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت وعزت بٹھا دے گا، اور کوئی شخص ان کے اہل وعیال، مال و دولت اور عزت و ناموس پر

دست درازی کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ بعض مفسرین نے ''فرقان'' کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی نیک شہرت کو چہار دانگ عالم میں عام کردے گا۔ اس کا معنی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں حق و باطل کی تمیز دے گا، اور شبہات سے دور رکھے گا۔ سدی نے اس کا معنی ''نجات'' بتایا ہے، اللہ تعالیٰ اسے کامیابی سے ہمکنار کرے گا اور دنیا کی مصیبتوں سے نجات دے گا۔

جیسا کہ اللہ نے سورۂ طلاق آیت (۲) میں فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲﴾ (الطلاق : ۲)

''جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے لیے راستے نکالے گا۔''

آٹھواں فائدہ:...... گناہوں کے معاف ہونے کی بشارت اور خطاؤں کی پردہ پوشی:

دنیا میں اہل تقویٰ پر ربّ العالمین کی جانب سے نازل ہونے والے انعامات میں سے ایک انعام یہ بھی ہے کہ ربّ العالمین نے تقویٰ اختیار کرنے کے نتیجے میں گناہوں کی بخشش اور معافی کا اعلان فرمادیا ہے، اور اس کے ساتھ ان گناہوں کی پردہ پوشی کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ جن کا وہ مرتکب ہوا تھا، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹﴾

(الأنفال : ۲۹)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈر جاؤ گے تو اللہ تمھیں فیصلے کی قوت عطا فرمائے گا، اور تمہاری خطاؤں کو مٹا کر تمھیں معاف فرمادے گا۔ اور اللہ بہت فضل والا ہے۔''

علامہ شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کے اس حصے ﴿وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ کا مفہوم ان الفاظ سے بیان فرماتے ہیں:

((﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ اَیْ يَسْتُرُهَا حَتّٰی تَكُوْنَ غَيْرَ ظَاهِرَةٍ ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ مَا اقْتَرَفْتُمْ مِنَ الذُّنُوْبِ، وَقَدْ قِيْلَ: اِنَّ الْمُرَادَ بِالسَّيِّئَاتِ: اَلصَّغَائِرُ وَبِالذُّنُوْبِ الَّتِیْ تُغْفَرُ، اَلْكَبَائِرُ، وَقِيْلَ: اَلْمَعْنٰی اَنَّهٗ يَغْفِرُ لَهُمْ مَا تَقَدَّمَ مِنَ الذُّنُوْبِ وَمَا تَأَخَّرَ .)) [1]

"(اور تمہاری خطاؤں کو مٹا دے گا) یعنی ان کی پردہ پوشی فرما دے گا، یہاں تک کہ وہ (کسی پر) ظاہر نہیں ہوسکیں گے۔(اور تمھیں بخش دے گا۔) یعنی جو بھی تم نے گناہ کیے ہیں (سب کے سب معاف فرما دے گا) ایک قول ہے کہ سیئات سے مراد صغیرہ گناہ، اور وہ گناہ جن کے بخشے جانے کا تذکرہ ہے، وہ کبیرہ گناہ ہیں۔اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ ربّ العزت ان کے گزشتہ اور آئندہ تمام کے تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا۔"

علامہ خازن رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

((﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ يَعْنِیْ وَيَمْحُ عَنْكُمْ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ يَعْنِیْ وَيَسْتَرُ عَلَيْكُمْ بِاَنْ لَّا يَفْضَحَكُمْ فِی الدُّنْيَا وَلَا فِی الآخِرَةِ .))

" ﴿وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ کے معنی ہیں تمہارے گزشتہ گناہوں کو معاف فرمادے گا۔اور ﴿وَيَغْفِرْ لَكُمْ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے گناہوں کی اس طرح پردہ پوشی فرمائے گا کہ دنیا و آخرت میں تمھیں رسوائی سے محفوظ فرما لے گا۔"

قارئین کرام غور کیجیے! تقویٰ اختیار کرنے سے دنیا میں کس قدر انعاماتِ الٰہیہ کی بارش برستی ہے، رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، مصائب و آلام آنے کے باوجود دل اطمینان کی دولت

[1] فتح القدير، للشوكانی: ۲/ ۲۸۸.

سے مال مال ہوتا ہے، مصائب اور تکالیف سے نجات ملتی ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ربّ العالمین، مالک یوم الدین، رحیم بالمؤمنین کی رضا اور خوشنودی کے بادل ہمہ وقت متقین کے سر پر سایۂ فگن رہتے ہیں۔ اور پھر اس خوش نصیب کی خوش بختی کا اندازہ لگائیے، جس کے گناہوں کی معافی کا اعلان دنیا میں ہی فرما دیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَّقِیْنَ .

نواں فائدہ:...... دنیا میں افضل ترین انسان ہونے کی گارنٹی:

انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے آپ کو معزز سے معزز تر بنانے کی کوشش کرتا ہے، افضل سے افضل تر بننے کی جدوجہد میں مگن رہتا ہے۔ اس مقصد کے لیے ایسے کام کرتا ہے، جن کے کرنے سے لوگوں میں اس کا مقام و مرتبہ دوبالا ہو سکے۔ ہر ممکن ایسے فعل سے گریز کرتا ہے، جس سے لوگوں کے درمیان اس کے مقام و مرتبہ پر برے اثرات مرتب ہوں۔

اللہ ربّ العزت متقین کو دنیا کا معزز ترین انسان قرار دیتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿١٣﴾ ﴾

(الحجرات: ١٣)

'' اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد و عورت سے پیدا کیا، اور ایک دوسرے کے تعارف کے لیے تمھیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ آدمی ہے، جو سب سے زیادہ (اللہ سے) ڈرنے والا ہو۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے، خوب خبر رکھنے والا ہے۔''

اور نبی اکرم خاتم النبیین ﷺ نے ''حجۃ الوداع'' کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

((یٰٓـأَیُّهَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ، اَلَا اِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ، اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ، وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ، وَلَا

اَحْمَرَ عَلٰی أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی .)) [1]

''اے لوگو! تمہارا رب ایک (اللہ) ہے، اورتم سب کا باپ بھی ایک (سیّدنا آدم علیہ السلام) ہے۔خبردار! تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی سیاہ کو سرخ پر اور سرخ کو سیاہ پر کوئی فضیلت حاصل ہے، مگر تقویٰ کے ساتھ۔''

دسواں فائدہ:......اولاد کی حفاظت:

تقویٰ کے فوائد وثمرات میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ربّ العالمین اس کی برکت سے انسان کی اولاد کی حفاظت بھی فرماتا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ ﴾ (النسآء: ۹)

''ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ اپنے پیچھے کمزور اولاد (ننھے منھے بچے) چھوڑ جائیں، جن کے ضائع ہونے کا انھیں خطرہ ہو، تو ان لوگوں کو چاہیے کہ اللہ سے ڈر جائیں اور سیدھی بات کیا کریں۔''

اس آیت کریمہ پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ والدین کے دلوں میں خوفِ الٰہی نہ ہونے کی صورت میں ان کی اولاد کے ضائع ہونے کا خدشہ ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ آباء واجداد کا تقویٰ نسلوں کی حفاظت کرتا ہے۔

جیسا کہ ''سورۃ الکہف'' کی یہ آیت کریمہ اس کی مزید وضاحت کرتی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا

[1] مسند أحمد: ٥/ ٤١١، رقم: ٢٣٤٨٩۔ شیخ شعیب نے اسے ''صحیح الاسناد'' کہا ہے۔

كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ (الکهف : ۸۲)

''اور دیوار کا قصہ یہ ہے کہ اس میں شہر کے دو یتیم بچے ہیں، جن کا خزانہ ان کی اس دیوار کے نیچے دفن ہے، ان کا باپ بڑا نیک شخص تھا، تو تیرے رب کی چاہت تھی کہ یہ دونوں یتیم اپنی جوانی کی عمر میں آ کر اپنا یہ خزانہ تیرے رب کی مہربانی اور رحمت سے نکال لیں۔ میں نے اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کیا یہ تھی اصل حقیقت ان واقعات کی، جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔''

محترم قارئین کرام! یہاں تک آپ دنیا میں حاصل ہونے والے، تقویٰ کے دس فوائد پڑھ چکے ہیں۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ .

اب ہم آخرت میں تقویٰ اختیار کرنے سے حاصل ہونے والے ثمرات اور فوائد کو قرآن وسنت سے ذکر کرتے ہیں۔

(2) آخرت میں حاصل ہونے والے تقویٰ کے فوائد وثمرات:

پہلا فائدہ:......اچھا انجام:

قرآنِ حکیم میں بار بار اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ بہترین انجام کار صرف متقین کے لیے ہے۔ ان میں سے چند ایک آیاتِ کریمہ پیش خدمت ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۸۳﴾﴾ (القصص : ۸۳)

''یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مقرر کردیتے ہیں، جو زمین میں نہ تو بڑائی کی چاہت رکھتے ہیں اور نہ ہی فساد کرتے ہیں۔ اور بہترین انجام متقین کے لیے ہے۔''

جب فرعون نے بنی اسرائیل کے بچوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کرلیا، اور سیّدنا

موسیٰ علیہ السلام کو اس بات کی خبر ملی تو انھوں نے اپنی قوم کو رجوع الی اللہ، اس سے مدد مانگنے، اور اس پر بھروسہ کرنے اور صبر کرنے کی نصیحت فرمائی، کیونکہ ہر حال میں مومن اور متقی کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کامل اور مکمل یقین کے ساتھ کہ جس کا مددگار ربّ العالمین ہوتا ہے، اس کا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔

اور سیّدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو یہ بشارت بھی دی کہ بالآخر غلبہ تمھیں ہی حاصل ہوگا، اور آخرت کی کامیابی متقین کے لیے ہے۔ چنانچہ اللہ ربّ العالمین نے سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۬ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۸ ﴾

(الأعراف: ۱۲۸)

''موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا، اللہ سے مدد مانگو، اور صبر کرو۔ بے شک یہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور بہترین انجام متقین کے لیے ہے۔''

ڈاکٹر فضل الٰہی حفظہ اللہ لکھتے ہیں:

''ارشادِ باری تعالیٰ ﴿الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾

''انجام کار متقیوں کے لیے ہے''

اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے لیے تائید الٰہی ہے۔ اور دنیا و آخرت میں انجام کار قابل تعریف ہوتا ہے۔ [1]

علامہ زمخشری رحمہ اللہ نے لکھا ہے؛

''اس بات کی خوشخبری ہے کہ قابل تعریف انجام کار متقیوں کا ہی ہے۔'' [2]

---

[1] تقویٰ، از ڈاکٹر فضل الٰہی، ص: ۱۰۸. [2] تفسیر الکشاف، للزمخشری: ۲/ ۱۰۵.

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ؛

''ارشادِ باری تعالیٰ ﴿ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر وہ آدمی جو اللہ ربّ العالمین کا تقویٰ اختیار کرتا ہے۔ رب العالمین دنیا و آخرت میں اس کی مدد فرماتے ہیں۔''

دوسرا فائدہ:......جہنم سے نجات:

تقویٰ کے فوائد میں سے آخرت میں حاصل ہونے والا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ ربّ العالمین متقین کو جہنم کی آگ سے محفوظ فرمالیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ ﴾ (مریم: ۷۲-۷۱)

''اور تم میں سے ہر شخص اس جہنم پر سے ضرور گذرے گا، یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔ پھر ہم تقویٰ اختیار کرنے والوں کو نجات دیں گے۔ اور ظالموں کو گھٹنوں کے بل گرا کر اس میں چھوڑ دیں گے۔''

یہاں پر جہنم کے اوپر سے گذرنے سے مراد پل صراط کے اوپر سے گذرنا ہے۔ [1]

تیسرا فائدہ:......عرشِ الٰہی کا سایہ:

تقویٰ اختیار کرنے کے عظیم ترین فوائد ثمرات میں سے ایک عظیم فائدہ یہ بھی ہے کہ روزِ قیامت جب کوئی سایہ نہیں ہوگا، صرف عرش الٰہی کا سایہ ہوگا تو عرش الٰہی کا سایہ پانے والے خوش نصیبوں میں متقین بھی شامل ہوں گے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ ...... وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ اِمْرَأَةٌ ذَاتَ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ ...... وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ.)) [2]

[1] تفسير ابن كثير: ۳/ ۱٤۸.

[2] صحيح البخاري، كتاب الأذان، رقم: ٦٦٠.

''سات خوش نصیب وہ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اس دن (اپنے عرش کا) سایہ نصیب فرمائے گا، جب اس کے (عرش کے) علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔ ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جس کو حسب ونسب والی (خاندانی) خوبصورت عورت دعوتِ گناہ دیتی ہے، لیکن وہ کہتا ہے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور ایک وہ آدمی ہے جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا تو خوفِ الٰہی کی وجہ سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔''

قارئین کرام! غور کیجیے کہ جس دن نفسانفسی کا عالم ہوگا، ہر کوئی اپنے اپنے اعمال کے حساب سے پسینے میں شرابور ہوگا، سورج انتہائی قریب آ جائے گا۔ زمین سورج کی تپش کی وجہ سے تانبے کی طرح سرخ ہوجائے گی، ہر کوئی سائے کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوگا، لیکن کہیں سایہ نہیں پائے گا۔ ایسے میں ربّ العالمین متقین کو اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا۔

چوتھا فائدہ:...... جنت میں داخلہ:

تقویٰ کا آخرت میں ایک عظیم فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ ربّ العالمین متقین کو اپنی جنتوں کا وارث بنادیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٦٣﴾﴾

(مریم: ٦٣)

''یہ ہے وہ جنت جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ان لوگوں کو وارث بناتے ہیں جو متقی ہو۔''

اور سورۃ ''النازعات'' میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿٤٠﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿٤١﴾﴾ (النازعات: ٣٨، ٣٩)

''اور جو اپنے رب کے مقام سے ڈرا، اور اپنے نفس کو خواہش کی اتباع سے روکا تو

بے شک جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا۔''

جوشخص تقویٰ اختیار کرتا ہے، روزِ حساب، اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے، اس لیے فرائض کی پابندی کرتا ہے، اور گناہوں سے بچتا ہے، اسے اس کا رب دو جنتیں عطا فرمائے گا، ایک ترکِ معاصی کے بدلے، اور دوسری عمل صالح کے عوض کہا جاتا ہے کہ ایک کا نام ''جنت عدن'' ہے، اور دوسری ''جنت نعیم'' ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿٤٦﴾﴾ (الرحمن: ٤٦)

''اور جوشخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہو کر حساب دینے سے ڈرتا ہے، اس کے لیے دو باغ ہیں۔''

آخرت میں تقویٰ کی وجہ سے ملنے والے انعامات الٰہیہ کی فہرست ویسے تو بہت طویل ہے، لیکن اختصار کے پیش نظر ہم صرف ان پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔

وصلی اللّٰہ تعالی علی خیر خلقه محمد وآله وصحبه وسلم